زراعتِ ہند

مؤلفہ

خان عبدالقادر خان بابوزئی پراونشل درباری زمیندار

خلفِ نواب حاجی عاشق محمد خان صاحب مرحوم

مُلتان

سنہ ۱۹۱۲ء

یونین سٹیم پریس لاہور میں چھپی

فہرست مضامین کتاب زراعتِ ہند

تمام شد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم و علیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین

تمہید

دنیا مین کاشتکاری قدیم زمانہ سے رائج ہے۔ بلکہ اگر یون کہا جاوے۔ کہ ابتدائے آفرینش سے ہے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ اگرچہ ترقی یافتہ ممالک میں ابھی اس کا معیار اعلیٰ درجہ پہ نہیں پہنچا۔ مگر کاشتکاری کی روز افزوں ترقی اس امر کی شاہد ہے۔ کہ اب وہ وقت دُور نہین۔ کہ اُن ممالک مین کاشتکاری اعلےٰ معراج پر پہنچ جائیگی۔ لیکن بہت سے ملکوں مثلاً اس ہندوستان میں ابھی تک اس کا طریقہ وُہی ہے۔ جو اب سے پچاس سال پیشتر تھا ہندوستانی لکیر کے فقیر ہیں۔ وہ نہ تو خود ایجاد و اختراع کے میدان میں قدم رکھتے ہیں۔ اور نہ دیگر ممالک کے تجربوں سے

فائدہ اُٹھاتے یا فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کی وجہ کچھ تو جہالت ہے۔ اور کچھ غفلت۔ ممالک یورپ و امریکہ نے فنّ زراعت میں سائنس وکیمسٹری کو شامل کرلیا ہے۔ وُہ مٹی کے اجزا۔خواص سے واقف ہیں۔ وہ اپنے روزمرّہ کے تجربوں سے ثابت کرچکے ہیں۔ کہ ہر ایک جنس کیواسطے کیسی زمین درکار ہے خاص قسم کی کاشت کے لئے فلاں فلاں اجزا مثلاً نائٹروجن کی مقدار کس قدر ہونی ضروری ہے۔ اس کے بغیر کوئی اچھا نتیجہ نہیں نکل سکتا۔

زمین کی تیاری کس طرح اور کسقدر عرصہ تک کرنی چاہئے۔ اس کے واسطے کون کون سے اوزار استعمال کرنے لازمی ہیں۔ اور ہر ایک دقّت جو اس راستہ میں پیش آنے والی ہے اس کے دُور کرنے کیواسطے آسان سے آسان طریقہ کیا ہوسکتا ہے۔ زمین کی تیاری کے بعد بیج کیسا ہو۔ اور کیونکر بونا چاہئے۔ اس کی مقدار کتنی ہونی چاہئے۔ آبپاشی کے واسطے پانی کی مقدار اور وقت۔

غرضیکہ وُہ لوگ اپنے قیمتی تجربوں اور علمی اصولوں کی بدولت ایک مرلہ زمین سے اسقدر پیداوار حاصل کرسکتے ہیں۔ جسقدر

یہاں ایک ایکڑ سے بھی مشکل سے حاصل ہوتی ہے۔ اور سائنس خصوصاً کیمسٹری کی مدد سے امریکہ کا ادنے سے ادنے کاشتکار ہندوستان کے بڑے سے بڑے زمیندار کا مقابلہ کر سکتا ہے

ہندوستانی زمینداروں اور کاشتکاروں کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ ان کی مالی حالت کا اندازہ یہ ہے۔ کہ عہ فی کس آمدنی کا اوسط نکالا گیا ہے۔ چاہیئے یہ تھا۔ کہ ہندوستان چونکہ ایک زرخیز اور مسلّمہ زراعتی ملک ہے۔ اسواسطے آمدنی کی اوسط زیادہ اور بہت زیادہ ہوتی۔ اس کے علاوہ ہماری جہالت اور ناواقفیت کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ ہمارے کاشتکار بھائیوں کو چونکہ علمی اصول اور سائنٹیفک تجربوں سے فائدہ اُٹھانیکا موقعہ نہیں ملتا۔ اس واسطے بمقابلہ دیگر ممالک کے کاشتکاروں کے اُنکو اس کام میں محنت اور مشقّت بھی بہت کرنی پڑتی ہے۔ اور اس کا ثمرہ بھی کافی نہیں ملتا۔

اِن امور کو دیکھکر مدت سے میرے دل میں یہ خیال جاگزین تھا۔ کہ ممالک غیر کے تجربوں اور اُن سائنٹیفک اصولوں سے جن کا سمجھنا چنداں دشوار نہیں۔ کاشتکارونکو آگاہ کروں۔ اور ساتھ ہی اپنی زمینداری کی حیثیت سے جو جو تجربے مَیں نے کئے

اور جو اصول نہایت ضروری ہیں۔ اُنکو زمینداروں کے فائدہ کے
واسطے مشتہر کر دوں۔ اسلئے میں نے ارادہ کر لیا ہے۔ کہ اسی
سلسلہ میں چند ایک رسالے لکھے جاویں۔ دُعا ہے کہ میری یہ کوشش
مفید نتائج پیدا کرے۔ اور ملک اور اہلِ مُلک اس سے فائدہ
اُٹھائیں۔

کاشتکاری کے متعلق ہندوستان میں تالیف و تصنیف کا
حلقہ بہت تنگ ہے۔ اگرچہ محکمہ زراعت کے انعقاد اور
زرعی کالجوں کے اجراء سے اب بہت سی کتب اس مضمون پر لکھی
گئی ہیں۔ مگر وُہ انگریزی میں ہیں۔ اور زمیندار اوّل تو نرے جاہل
ہیں۔ اور جو کچھ سرکار انگریزی کے فیض سے دو چار لفظ پڑھے
ہیں۔ تو اُردو کے۔ اسواسطے مناسب سمجھا گیا۔ کہ فنِ زراعت
کے متعلق جو رسالہ لکھا جاوے۔ وُہ ہندوستان کی موجودہ ملکی زبان
یعنی اُردو میں ہو۔ جو راس کماری سے کشمیر تک یکساں امتیاز
حاصل کر چکی ہے۔ وما توفیقی الاّ باللہ علیہ توکلت والیہ انیب ؕ

عبدالقادر خاں بادوزئی
ملتان شہر ۱۰ نومبر ۱۹۱۴ء

باب اوّل

ہندوستان زراعتی ملک ہے

مردم شماری ۱۹۱۱ء کے رُو سے ہندوستان کی آبادی اکتیس کروڑ کے قریب جا پہنچی ہے۔ اس میں ۲/۳ حصہ یعنی اٹھارہ کروڑ آدمیوں کا گذارہ خالص کاشتکاری پر ہے۔ اور یہی ایک ایسا ہنر اور پیشہ ہے۔ جسکے ذریعہ اسقدر مخلوق اپنا پیٹ بھرتی ہے۔ اوّل اوّل شہنشاہ اکبر کے عہد میں ملکہ الیزبتھ کے سفیر پہنچے۔ اور بہت سی محنت اور تکلیف اُٹھا کر اکبری دربار میں رسائی حاصل کی۔ اور اُس جوانمرد۔ بلند اقبال۔ صلح کل شہنشاہ سے تجارت کی کنجی لے لی۔ اُسوقت ان کو یہی غلّہ کی تجارت کھینچ لائی تھی۔ اِسی تجارت نے یورپ کا تجارتی مال ہندوستان میں اور یہاں کی پیداوار یورپ میں پہنچائی۔ تواریخ سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے۔ کہ جب آریہ لوگوں نے وسط ایشیا سے روانہ ہوکر کوہ ہندوکش کو عبور کیا۔ اور پنجاب کے دریاؤں پر آکر بودوباش اختیار کی۔ اُسوقت اُنہوں نے زراعت کو

ترقی دینی شروع کی۔ دراصل کل بنی نوع انسان کی زندگی اسی زراعت پر ہے۔ جب حضرت آدم علیہ السّلام نے دنیا میں قدم رکھا۔ تو انہیں زراعت کا طریقہ سکھایا گیا۔ کہ محنت کروگے تو اس کا پھل ملیگا۔ اور سب سے پہلے بابا آدم کو یہ فخر حاصل ہے۔ کہ انہوں نے زمین سے کاشتکاری کا کام لیا۔

شاہانِ مُغلیہ اور دیگر سلاطین وراجگان ہند کے خزانے ہمیشہ مالگذاری کی بدولت زروجواہر سے بھرے رہتے تھے۔ لکھا ہے کہ احمد شاہ ابدالی نے جب ۱۷۵۸ء میں پانی پت کے میدان پر فتح پائی۔ تو خزانچی سے کاغذات آمدنی طلب کئے۔ معلوم ہوُا۔ کہ کروڑ روپیہ زرنقد وصول ہوتا ہے۔ مگر اب پہلے کی نسبت اس زراعت کا میدان اور زیادہ وسیع ہوگیا ہے۔ گورنمنٹ انگلشیہ نے نہروں کے اجراے سے بہت سی ارضی کو جو اس زمانہ میں وحشی جانوروں کا مسکن تھا۔ اور جہاں دُشوار گذار گھنے جنگل تھے۔ قابلِ زراعت بنا دیا ہے۔ اور ابھی یہہ کوشش برابر جاری ہے۔ اور زراعت کے شایقین کے واسطے ہر سال میدان وسیع ہوتا چلا جارہا ہے۔ بہت سی نہریں زیرِتجویز ہیں۔ بعض کا کام بھی جاری ہے۔ اور دو چار سال میں کئی لاکھ

ایکڑ اراضی اُن سے اور آبپاشی ہو سکے گی۔

پبلک کو معلوم ہو گیا ہے۔ کہ اصلی دولت اور ملکیت اراضی ہی ہے۔ اور اس کی قدر و منزلت روزمرّہ زیادہ ہو رہی ہے رعایا بالعموم خوشحال ہے۔ اور گورنمنٹ انگلشیہ کے زیر سایہ بیرونی دشمنوں اور ناگہانی آفتوں سے جو کبھی تیموری حملہ کی صورت میں اور کبھی نادری طوفان کی شکل مین نمودار ہو کر لوگوں کے جان و مال کا ستیاناس کر دیتی تھیں۔ تقریبًا بالکل محفوظ اور مصئون ہے۔

آفات ارضی و سماوی کے اہتمام سے بھی گورنمنٹ عالی مقام تا حد علم بے خبر نہیں۔ خشک سالی کے موقعہ پر رلیف کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اگر آگ یا پانی سے جان و مال کے ضائع ہونیکا اندیشہ ہوتا ہے وہاں بھی گورنمنٹ اپنی طاقت اور علم کے موافق انتظام کرتی ہے۔ اس واسطے اس کا لازمی نتیجہ تھا۔ کہ آبادی میں روز افزوں ترقی ہو۔ چنانچہ یہی کیفیت ہے کہ ادہر زمین کی قدر و منزلت بڑھتی جاتی ہے۔ اِدہر پیداوار زرعی بھی زیادہ ہو رہی ہے۔ اس موقعہ پر کوئی شخص یہ اعتراض کرے۔ کہ اگر پیداوار زرعی زیادہ ہو رہی ہے۔ تو نرخِ غلّہ روزمرّہ کیوں گراں ہے۔ یہ سوال دوسرا ہے

اس کا مختصر جواب یہ ہے۔ کہ تبادلہ اشیاء میں فرق ہے۔ روپیہ کا معیار اس زمانہ میں جب کہ غلہ بہت ارزاں سُنا جاتا ہے۔ کچھ اور تھا۔ اور زمانۂ حال میں کچھ اور ہے۔ یہ سمجھ لیجئے کہ اُس وقت ایک روپیہ جس چیز کا نام تھا۔ آج وُہ اشرفی ہے اُس وقت ایک عامل (تحصیلدار) کی تنخواہ آٹھ روپیہ ماہوار تھی۔ آج ایک چپڑاسی کی تنخواہ آٹھ روپیہ ہے۔

گورنمنٹ عالیہ نے زمینداروں کی بہتری کو اپنی بہتری تصور کیا ہے۔ اور ہے بھی واقعی۔ یہی ایک ایسا پیشہ ہے۔ جس پر

فصل اوّل۔ رعایا پرایا کا انحصار ہے

گورنمنٹ کا دارومدار اسی پر ہے۔ سب لوگ زمیندار کے ہل کی کمائی کھاتے ہیں۔ کیونکہ اگر روٹی ایک دو یوم نہ ملے۔ تو بس زندگی کا خاتمہ ہے۔ خلاصہ یہ ہے۔ کہ تمام اہل حرفہ ادنے پیشہ ور سے لیکر تاجر تک سب کاشتکار کے منہ کو تکنے والے ہیں۔ ہندوستان میں گو معدنیات بھی ہیں حیوانات بھی بیشمار ہیں۔ مگر جو چیز ممالک غیر کا روپیہ کھینچکر یہاں لاتی ہے جس چیز کی وجہ سے ہندوستان کیطرف لوگوں کی آنکھیں تک

رہی ہیں جس سے یورپ کی مہذب اقوام کا پیٹ بھرتا ہے۔ اور جس کی ترقی پر مُلکی ترقی اور تمدن کا انحصار ہے۔ وُہ زرعی پیداوار ہی ہے۔ اراضی پر ہی تمام محکمہ جات کی بنیاد ہے۔ امریکہ اور جزائر غرب الہند اور شرق الہند کے دریافت ہونے سے پہلے تو غلہ کمیاب تھا۔ اہل یورپ و افریقہ اوسی کی بڑی قدر کرتے ہیں۔ باوجود کیمیائی تجربوں کے ہندوستان کے گیہوں اور شکر کو خاص فوقیت اور امتیاز حاصل ہے۔ گو مارکیٹ میں امریکہ کا غلہ بہت پسند کیا جاتا ہے۔ اور وُہ بہت قیمت پاتا ہے۔

ہندوستان کہیں چوتھے درجہ پر غلہ مہیا کرنے والا ملک تصور کیا گیا ہے۔ سائنس خصوصاً کیمسٹری کی روز افزوں ترقی اور مغربی تعلیم کے اثر سے امریکہ کا ادنےٰ کاشتکار ہندوستان کے بڑے سے بڑے زمیندار کا مقابلہ کر سکتا ہے۔

ہندوستان میں زمینداروں اور کاشتکاروں کی آمدنی کا جو اوسط دریافت کیا گیا ہے۔ وُہ نہایت تعجب خیز اور حسرت آمیز ہے۔ ۱۲؎ ماہوار تمام باشندوں کی اوسط آمدنی ہے۔ اسی سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ ہندوستان جنت نشان جس کی زمین درجۂ اوّل کی زرخیز ہے۔ اور جس میں عموماً ہر ایک قسم کی پیداوار

تھوڑی بہت کوشش سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اور جس کا لوہا تمام دنیا مان چکی ہے۔ جو مسلمہ طور پر ایک زراعتی ملک ہے۔ جس کے باشندے جفاکش اور محنتی تسلیم کئے گئے ہیں۔ اب محض برائے نام دنیا میں اپنی زرعی پیداوار کو بھیجتا ہے۔ اور بعض اشیاء جب اپنا جامہ تبدیل کرکے واپس آتی ہیں۔ تو نتائج برعکس پیدا ہوتے ہیں۔

مثال کے طور پر رُوئی کو لو۔ ہندوستان سے ہر سال ایک لاکھ روئی کی بوریاں جن کی مالیت دو کروڑ روپے کی ہے۔ ولایت کو جاتی ہیں۔ اور جو اُن کا کپڑا تیار ہو کر آتا ہے۔ اُسکی مالیت نوے کروڑ روپے کی ہے۔ اِسی سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ زراعت کے ساتھ اگر صنعت و حرفت کی تعلیم ہو۔ کسقدر ضروری ہے

اصل ترقی کا اصول یہ ہے کہ مدین مقرر رہوں۔ اور سب اپنی اپنی جگہ کام کریں۔ اور جو کام ایک شخص کی کوشش سے ہو سکیں۔ اُنکے لئے مجموعی متحدہ کوشش کیجائے۔

امریکہ و یورپ کے مختلف سلطنتوں اور کالونیز مین آسٹریلیا نیوزیلینڈ کانیڈا کے حالات ملاحظہ ہوں۔

فصل دُوسری

آبادی روز افزوں ہے

کاشتکاری کیطرف اِس وجہ سے بھی زیادہ توجہ کرنیکی ضرورت ہے۔ کہ دُنیا کی روز افزوں آبادی کی مناسبت سے خوراک کی مقدار کو بھی بڑھنا چاہیئے۔ ممکن ہے۔ کہ بعض ممالک میں آبادی کسی خاص وجہ سے کم ہو رہی ہو۔ مگر ہندوستان میں یہ امر ثابت کرنا کچھ دُشوار نہیں۔ کہ واقعی مردم شماری زیادہ ہوتی چلی جاتی ہے۔ اگرچہ گذشتہ چند سال میں غیر معمولی طور پر مرضِ طاعون پھیل جانے سے اموات میں بیشی ہوئی۔ مگر رجسٹر پیدائش میں نمبر برابر بڑھتے رہے۔ مختصراً اِس کے اسباب پر بحث کیجاتی ہے۔

سب سے بڑی وجہ جو آبادی کی ترقی کا مُوجب ہے۔ ہمارے خیال میں رعایا کی خوشحالی اور فارغ البالی ہے۔ بڑا ہی بے انصاف وُہ شخص کہا جائے گا۔ جو ہندوستان میں گورنمنٹ انگلشیہ کے عہد میں موجودہ مسلسل امن و آسائش کا مدّاح نہ ہو۔ لارڈ کرزن بہادر نے اپنی وائسرلیٹی کے دوران میں دہلی دربار کے موقعہ پر جو لیکچر دیا۔ اُس کا مختصر خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔

جس سے معلوم ہو سکے گا۔ کہ سابقہ حکومتوں اور موجودہ انتظام میں کتنا بڑا فرق ہے۔ اور واقعی ہم ہندوستانی بہت ہی ناسپاس تصور کئے جائینگے۔ اگر ہم گورنمنٹ انگلشیہ کی برکتوں کا دلی اعتراف نہ کریں۔

اب اس لکچر کا خلاصہ لکھا جاتا ہے۔

"ہندوستان کے کروڑوں آدمیوں کو **قیصر ہند** کی حکومت نے روز کے حملوں اور تکلیفوں سے محفوظ کر دیا ہے۔ اور ہزاروں آدمیوں کو کئی ایک حقوق اور دیگر رعائتیں بخشدی ہیں۔ اور تعلیم یافتہ اشخاص کو معزز آسامیاں عطا کی ہیں۔ تکلیف کے وقت گورنمنٹ ہمدردی کرتی ہے۔ عدل و انصاف میں تمام ہندوستانی برابر حصہ لیتے ہیں۔ اور ان کی ہر طرح سے حفاظت کی جاتی ہے۔ اور ان میں امن و امان کی نعمت عظمیٰ ہر وقت میسر ہے۔ بیرونی ملک کے حملے اس امن کے زمانہ میں یہ بات ہماری سمجھ میں آنا مشکل ہے۔ کہ فارس افغانستان یا وسط ایشیا کے حملہ سے کیا مطلب ہے۔ اس سے یہ مراد تھی۔ کہ بیس ہزار سے ایک لاکھ آدمی تک ایک دفعہ ہی کوچ کا نقارہ بجاتے تھے

اور راستہ میں جس شہر یا گاؤں سے گذرتے تھے۔ اُس کو تباہ کر دیتے تھے۔ یا جلا کر خاک سیاہ کر دیتے تھے۔ اور ذرا سی تکلیف پر لوگوں کے قتل کرنے پر تیار ہو جاتے تھے۔ اور فتح کیئے ہوئے مُلک کے دارالخلافہ میں قتلِ عام بھی ضروری کیا جاتا تھا۔ مثلاً نادر شاہ نے دہلی پر حملہ کر کے آٹھ ہزار آدمیوں بچوں اور عورتوں کو دوپہر کے اندر تہ تیغ کر ڈالا۔ شہر کو لوٹا۔ اور کئی جگہ آگ لگائی۔ نادر شاہ کے جانے کے چند ہی سال بعد میں احمد شاہ ابدالی پانچ دفعہ ہندوستان پر چڑھ کر آیا۔ اور اُسکی فوجوں نے کئی ہفتہ تک دہلی کو لوٹ مار کر کے تباہ کر دیا۔ اُسکے افغانی پیادے بھی کچھ کم نہ تھے۔ اُنہوں نے چھوٹے چھوٹے گاؤں تباہ کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا۔ اسکے سوار یکایک متھرا میں ٹھیر گئے۔ اُس وقت ہزاروں ہی جاتری جمع تھے۔ جاتریوں کو یا تو اُنکے گھروں میں ہی جلا دیا۔ یا قتل کر ڈالا۔ چند قید بھی ہوئے۔ شمالی ہند کی یہ حالت آج سے ۱۵۰ سال پہلے تھی۔ باقی حصّوں کا بھی یہی حال تھا۔ برہما کی جنگجو قومیں مشرقی بنگال کو تباہ کر رہی ہیں۔ جنوبی بنگال اور ساحل کارومنڈل اور ملیبار کو بحری لٹیروں نے لوٹا۔

لٹیرے دریاؤں میں چلے جاتے تھے۔ اور گاؤں کے گاؤں تباہ کرڈالتے تھے۔

اب حالت بالکل بدل گئی ہے۔ اس طرف شمالی حملہ آوروں کے لئے راستہ صاف تھا۔ مشرقی قومیں اور برہما انگریزی حکومت کے زیر سایہ ہیں۔ بحری لٹیرے اب کہیں نظر بھی نہیں آتے ہیں۔

اس کے علاوہ جو ملک میں ابتری تھی۔ وہ بھی کچھ کم نہ تھی۔ محمد شاہ والئے جگرگہ کا نجے نگر کے راجہ سے جھگڑا ہوا۔ اور اوّل الذکر نے اُس وقت اپنی تلوار نیام میں لی جبکہ پچاس ہزار آدمی قتل ہوگئے۔ اب خدا کا فضل ہے۔ ملک میں امن ہے۔ آبادی روز ترقی پذیر ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی چھوٹے چھوٹے امور ہیں جن سے ملک کی آبادی پر بڑا اثر پڑتا ہے۔ مثلاً کسی نہر کا جاری ہونا اور غیر مزروعہ زمین جب آبپاشی کی مدد سے قابل زراعت ہوجاتی ہے۔ تو ان نو آبادیوں میں دور سے لوگ کھچکر چلے آتے ہیں۔ اور تجربہ سے معلوم ہوا ہے۔ کہ جسقدر کمی ہوتی ہے اُس سے بیشی بہت زیادہ ظاہر ہوجاتی ہے۔ مثلاً لائل پور کا

ضلع اور نہرِ چناب و جہلم کی نو آبادی کی ترقی ہر ایک کو معلوم ہے۔

ہندوستان میں بچپن کی شادی۔ کثرت ازدواج اور شادی بیوگان وغیرہ نے بھی تھوڑا بہت اثر ازدیادِ نسل پر ڈالا ہے۔ اگرچہ نسبتاً اسکی مقدار میں تھوڑی بہت زیادتی ضرور ہے۔ گذشتہ زمانہ کے ہولناک جنگ جو تقریباً ہر بیس سال میں ملک کے مختلف قطعات میں لازمی تھے۔ اب یک قلم نفی کے درجہ پر پہنچ گئے ہیں۔

حفظانِ صحت کے وسایل روز ترقی پذیر ہیں۔ بیماری کے موقعہ پر اچھّے معالج دستیاب ہوتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ اموات کی تعداد کم ہو گئی ہے۔

پس جبکہ آبادی کی ترقی ہندوستان میں صاف ثابت ہے۔ تو ضروری ہے۔ کہ ہم ایسے وسایل اختیار کریں۔ جن سے زرعی پیداوار کو ترقی ہو۔ تاکہ ہماری خوراک بہت گراں ہو کر قحط نہ پیدا کرے۔ اور بہت سے اہلِ وطن صرف افلاس اور ناداری کا شکار نہ ہو جاویں۔

عام زمیندار جب مِلکر بیٹھتے ہیں۔ تو اُن میں عموماً یہ ذکر ضرور

ہوتا ہے۔ کہ اب وُہ برکت کا زمانہ نہیں رہا۔ جب کہ ایک بیگھہ زمین سے اس قدر غلّہ حاصل ہوتا تھا۔ اب تو کوئی کلجگ کا زمانہ آگیا ہے۔ کہ ہم تمام روز مٹی کھودتے ہیں۔ بیلوں کو ہانکتے ہانکتے زبان درد کرنے لگتی ہے۔ اور خود بیل ایک قدم چلتے ہیں۔ تو ہانپنے لگ جاتے ہیں۔ کسی چیز میں برکت نہیں رہی۔ اُن کا اعتقاد ہے۔ کہ

فصل تیسری کہ زمین کی طاقت کم ہو گئی ہے

اب ہم اس کے متعلق ذرا تحقیقات سے کام لیتے ہیں۔ کہ آیا واقعی زمینداروں کا یہ خیال ٹھیک ہے۔ یا اُنکی غلط فہمی ہے منشی سردار احمد خانصاحب ڈپٹی کلکٹر نے اپنی ایک کتاب متعلقہ زراعت میں لکھا ہے۔ کہ زمیندار پرلے درجے کے ذہین ہوتے ہیں۔ اور ان کا دماغ نہایت صحیح اور وُہ غضب کے قیافہ شناس ہوتے ہیں۔ میں کہتا ہوں۔ کہ یہ فقط ڈپٹی صاحب کی رائے نہیں ہے۔ بلکہ بہت سے اہل الرائے اس بات پر متفق ہیں۔ کہ واقعی زمینداروں کا دماغ نہایت صحیح اور مضبوط ہوتا ہے مگر تعلیم نہ ہونے کے باعث اسکی نشوونما جیسی کہ چاہئے۔

نہیں ہوتی۔ بہرحال میں اس امر کی تائید کرتا ہوں۔ کہ واقعی زمینداروں کی دماغی طاقت بہت زیادہ ہے۔ تو اب سوچنا یہ ہے۔ کہ اُن کا یہ مقولہ "زمین کی طاقت کم ہوگئی ہے"۔ کہاں تک صحیح ہے۔

اِس میں کوئی شک نہیں۔ کہ جب کوئی اراضی ابتدا میں جب کہ غیر مزروعہ صورت سے قابل زراعت بنائی جاتی ہے۔ تو پہلے اس میں طاقت زیادہ ہوتی ہے۔ اِسکی وجہ ظاہر ہے۔ کہ قدرتی طور پر جو اجزاء اس میں نشو ونما کے لئے موجود ہوتے ہیں۔ وُہ کافی مقدار میں پائے جاتے ہیں۔ لیکن جوں جوں اس میں کوئی فصل بوئی جاتی ہے۔ اور خصوصًا اس صورت میں جب کہ ایک ہی بیج بویا جائے۔ تو پہلے دوچار سال تو فصل اچھّی پیدا ہوتی ہے۔ اور بعدہٗ جب زمین کی وُہ قدرتی طاقت زائل ہونے لگتی ہے۔ تو پیداوار میں کمی ہو جاتی ہے۔ اور اِس کا علاج یہی ہے۔

کہ جب قدرتی طور پر اِس کی طاقت زائل یا کم ہو جاوے تو کھاد کے ذریعے سے مصنوعی طور اس میں وُہ مادّہ پیدا کیا جاوے۔ جسکی ضرورت ہے۔ اور اِس امر کے دریافت

کرنے کیلئے کہ کسی تخم کے بونے کیواسطے کیا کیا اجزاء ہونے ضروری ہیں۔ سائنٹیفک تعلیم کی ضرورت ہے۔ اگرچہ عام زمینداروں کو یہ بات تو معلوم ہے۔ کہ اگر ایک ہی جنس ہر سال زمین میں بوئی جاوے۔ تو فصل عمدہ نہیں ہوتی۔ اور عام زمیندار بھی ردّ و بدل اجناس کے اصول پر عمل کرتے ہیں۔ مگر اس میں ابھی اور بہت معلومات اور تجربے کی ضرورت ہے۔ تاکہ ردّ و بدل اجناس کے اصول سے دو فائدے اُٹھائے جائیں۔

یعنی اوّل تو یہ کہ زمین کی طاقت برقرار رہے۔ دوسرے پہلی جنس کی جڑیں دوسری جنس کیواسطے کھاد کا کام دیویں لیکن اِسپر زمینداروں کا عمل نہیں۔ پس اِن کی معمولی واقفیت اور اجناس کے بدل بدل کر بونے کا قاعدہ کچھ زیادہ مفید نتیجہ پیدا نہیں کرتا۔

اُوپر کے بیان سے معلوم ہوُا ہوگا۔ کہ زمینداروں کا یہ قول۔ کہ زمین کی طاقت کم ہوگئی ہے۔ کسی قدر ضرور صحیح ہے۔ پہلے چونکہ امن و آرام کا زمانہ تھا۔ حکّام وقت سے مالکان اراضی پر بہت بہت ظلم ہوتے تھے۔ اور

خصوصًا مالگزاری کا طریقہ بہت ناقص تھا۔اس واسطے لوگ کاشتکاری کی طرف چنداں راغب نہ تھے۔ اکثر لوگوں نے اپنا پیشہ قزاقی بنا رکھا تھا۔معمولی جنگ وجدل جو ہندوستان میں اپنا گھر بنائے ہوئے تھے۔ زمینداروںکو اتنا موقعہ نہ دے سکتے تھے۔کہ وہ اپنی کھیتی باڑی کی پوری پرداخت اور نگرانی کرسکیں۔

اکثر ایسا اتفاق ہوتا تھا۔کہ اِدھر ایک گاؤں میں کچھ جنس عمدہ طور پر بوئی گئی ہے۔کہ دفعتًہ مُغلوں یا تاتاریوں یا اور سرحدی لوٹیروں کا ایک دستہ پُہنچا۔تمام زراعت کاستیاناس ہوگیا۔ہری ہری کھیتیاں حملہ آوروں کی گھوڑیوں کا چارہ بن گئیں۔ اور جو اُن سے بچیں۔ وہ رسالہ کے ذخیرہ میں جمع کی گئیں۔

سکھوں کی حکومت کا حال بہت سے لوگ بیان کرسکتے ہیں۔کہ کاشتکاروں سے کیسا سلوک کیا جاتا تھا۔بہت سے لوگ اس امر سے کہ ابھی عامل آکر محصول وصول کریگا۔اپنی اپنی اراضی سے دست بردار ہوگئے۔ یا کوڑیوں کے مول فروخت کرکے ہمیشہ کے واسطے تحصیلداروں اور محصّلوں کے ظلم و

تعدّی سے گوشۂ عافیت میں جا بیٹھے۔

اکثر ایسا بھی ہوتا تھا۔ کہ ایک بڑے زمیندار نے جب دیکھا۔ کہ حکّام تک اُسکی رسائی ہے۔ تو اُس نے غریب رعایا کی اراضی پر قبضہ کرلیا۔ چنانچہ اِسکی نظیریں اَب بھی ملتی ہیں۔ کہ بعض جابر اور بارُعب زمیندار غریب ہمسایہ کاشتکاروں کی بہُت سی اراضی غصب کرلیتے ہیں۔ اُن مظلوم کاشتکارونکو سوائے صبر کے اور کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ ہاں عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائیں تو اپنا حق لے سکتے ہیں۔

الغرض ایسے بہُت سے اسباب قدیم زمانہ میں موجود تھے کہ لوگ قدرتی طور پر کاشتکاری کی ترقی سے گریزاں رہتے تھے۔ مگر اَب تو زمانہ کی ہوا بدل گئی ہے۔ گورنمنٹ کی طرف سے حقوق ملکیّت کا پُورا پُورا انتظام ہے۔ اور تھوڑی سی زمین کے بیع۔ تبادلہ۔ ہبہ۔ رہن کیواسطے محکمہ مال کا بڑا عملہ موجود ہے۔ جو زمینداروں کی ادنےٰ شکایت کو غور سے سُنتا اور اُنکی امداد کو کمربستہ ہے۔

اگلے زمانہ میں چونکہ کاشتکاری کیطرف لوگوں کا میلان کم تھا۔ خصوصاً امورات متذکرہ بالا انہیں کاشتکاری کے

کام میں بڑی مشکلات پیدا کرتے تھے۔ اسواسطے بہت سی اراضی بیکار پڑی رہتی تھی۔ اور اِس طرح سے دُھوپ اور ہوا کا اس میں کافی اثر ہوتا تھا۔ اور جب اتفاق سے کسی ٹکڑہ میں کچھ کاشت کیا جاتا تھا۔ تو اِس کی پیداوار کافی مقدار میں حاصل ہوتی تھی۔ چنانچہ اب بھی بارانی علاقوں میں دیکھا گیا ہے۔ کہ جب ٹکڑہ زمین کو دو تین سال خالی چھوڑ دیا جاتا ہے۔ تو اس میں اوس اور بارش اور ہوا اور دُھوپ کا پُورا عمل ہوکر زمین طاقتور ہوجاتی ہے۔ **بلوچستان** کے علاقہ پٹ میں بہت سی اراضی ہے۔ مگر پانی کم ہے۔

زمینداروں نے اپنی اراضی کے ۴ حصّے بنا رکھے ہیں۔ ہر چوتھے سال ایک حصہ زمین کی کاشت کی نوبت آتی ہے اور نسبتًا پیداوار خوب ہوتی ہے۔ برخلاف چاہی۔ نہری یا خالص چاہی۔ یا خالص نہری زمین میں چونکہ ہر سال فصل بویا جاتا ہے۔ تو اُس میں وُہ طاقت زمین میں نہیں رہتی۔ جس سے عمدہ پیداوار ہوتی۔

اِس تقریر سے یہ مطلب نہیں ہے۔ کہ زمیندار اپنی موجودہ اراضی کی تقسیم شروع کریں۔ اور کچھ حصّہ کاشت کریں۔ اور

باقی ہوا دھوپ جذب کرنے کے لئے چھوڑ دیں۔ بلکہ دکھانا یہ مقصود ہے۔ کہ زمینداروں کا یہ مقولہ کہ "زمین کی پیداوار کم ہو گئی ہے"۔ کیا حقیقت اور اصلیّت رکھتی ہے۔ ہم اس بات کے تسلیم کرنیسے انکار نہیں کر سکتے۔ کہ واقعی جب کسی زمین میں کوئی جدید نہر نکالی جاتی ہے۔ تو اوّلاً اس اراضی کی پیداوار بہت زوروں پر ہوتی ہے۔ اِدھر نالہ نے کچھ ریت وغیرہ ڈالنی شروع کر دی۔ اُدھر زمین کی وُہ طاقت اور مادّہ جو کئی سالوں سے بیکار پڑا تھا۔ فصل پیدا کرنے میں خرچ ہونے لگا۔

نتیجہ یہ ہوا۔ کہ فصل تھوڑی پیدا ہونے لگی۔ اور زمیندار اپنی قسمت کی بدنصیبی کا شکوہ کرنے لگا۔

جب ایک چیز خرچ ہو گی۔ تو اُس میں کمی ضرور ہو گی۔ چنانچہ اوس کمی کے اوپر آہ وزاری کرنا دون ہمتی ہے۔ مرد آدمی کا فرض ہے۔ کہ نہایت ٹھنڈے دل سے اُس کمی کے پورا کرنے کی تدبیر کرے۔

سو اِسکے واسطے ضروری ہے۔ کہ اِس میں کافی کھاد ڈالی جاوے۔ اور اسکی زائل شدہ طاقت کو مصنوعی وسایل سے اصلی حالت پر لانیکی کوشش کیجاوے۔ پھر دیکھتے ہیں۔ کہ

زمیندار کی قسمت خود بخود قدرتی وسائل کی تلاش سے ٹھیک ہو جاتی ہے یا نہیں۔

زمینداروں کا فرض ہے۔ کہ وُہ صرف تخم ریزی کے خیال میں نہ رہیں۔ بلکہ اس امر کی کوشش ان کا سب سے بڑا مقصد ہو۔ کہ وُہ ایسے وسایل اختیار کریں۔ جس سے محنت اور خرچ کم ہو۔ اور فصل اعلیٰ درجہ کی پیدا ہو۔ جس سے ان کا موجودہ افلاس جو ادبار کا پیش خیمہ ہے۔ رفع ہو جاوے۔ اور اقبال کا آفتاب چمکے۔ کیونکہ اس بات پر تمام دنیا کا اعتقاد ہے۔ اور تمام جہان متفق ہے۔ کہ دُنیا میں اگر کیمیا ہے۔ تو حقیقت میں

باب دوئم } زراعت کیمیا ہے

اور ہے بھی واقعی ٹھیک۔ غور سے اگر اور پیشوں کو دیکھیں۔ اور جسقدر لوگوں کے وسایل آمدنی ہیں۔ اُن کا زراعت سے موازنہ کریں۔ تو صاف معلوم ہوگا۔ کہ زراعت کے اوصاف کسی ایک ہُنر یا پیشہ میں نہیں۔ اور اس بارہ میں بہت سی ضرب المثلیں زبان زد خلائق ہیں۔ کہ اوتم کھیتی۔ مدھم بیوپار الخ

یعنی دُنیا کے تمام پیشوں سے افضل زراعت کا پیشہ ہے کیونکہ دیگر پیشوں کی ضرورت عارضی ہے۔ مگر زراعت ایک ایسی چیز ہے۔ جس پر بنی نوعِ انسان اور کل حیوانات کی زندگی کا دارومدار ہے۔ مگر افسوس ہے۔ کہ جسقدر بُری حالت اور ردّی کیفیّت آجکل کاشتکاروں کی دیکھی جاتی ہے۔ کسی اور پیشہ ور کی نہیں۔ اس موضوع پر ہم آگے چل کر بحث کرینگے اَب ذرا مقابلہ کرکے دیکھتے ہیں۔ کہ واقعی زراعت کیمیا ہے یا نہیں۔ فارسی کا پُرانا مقولہ ہے۔ ؎

کارِ کشاورزی وسوداگریست   باز گدا بعد ازاں چاکریست

یعنی دُنیا میں بہتر کام کاشتکاری کا ہے۔ اُس سے دوسرے درجہ پر سوداگری یعنی تجارت ہے۔ اور پھر گداگری۔ اور ملازمت تو گداگری سے بھی پست تریں درجہ پر ہے۔ مگر افسوس ہے۔ کہ ہم ہندوستانیوں نے زمینداری اور کاشتکاری کو سب سے آخری درجہ پر تصوّر کر لیا ہے۔ اور ملازمت یعنی نوکری کو اپنا اعلیٰ معراج تصوّر کر لیا ہے۔ چنانچہ دیکھا جاتا ہے۔ کہ کئی ایک مالکان اراضی مڈل پاس کرکے دفتروں کے دھکّے کھاتے ہیں۔ اور آٹھ دس روپیہ کی

نوکری کے واسطے صدہا منتیں اور خوشامدیں کرتے پھرتے ہیں اگر وُہ زراعتی تعلیم حاصل کرکے اپنے اصلی اعلےٰ پیشہ میں ترقی کی سعی کریں۔ تو ایسے آٹھ دس روپے تنخواہ پانیوالے بیسیوں ملازم وُہ خود رکھ سکتے ہیں۔ افسوس ہے۔ کہ نوکری کی بیماری ملک میں عام ہے۔ گورنمنٹ اِس قدر آدمیوں کو کہاں سے نوکری دیوے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ نوکری کے طالب عموماً خراب اور خستہ خاطر نظر آتے ہیں۔ اور عوام نے تعلیم کا مدعا فقط نوکری ہی سمجھ رکھا ہے۔ جو اُنکی غلطی ہے۔

اَب اس امر کو دِکھایا جاتا ہے۔ کہ کیا واقعی زراعت کیمیا ہے ایک فارسی شاعر نے اپنے زور بیان سے کیا عُمدہ ثبوت دیا ہے۔

کیمیا خواہی زراعت کن کہ خوش گفت آنکہ گفت
زرعِ ثلثانش زرہست وثلث باقی ہم زرہست

یعنی زرع کے لفظ کے تین حرف ہیں۔ ⅔ حصّہ یعنی پہلے دو حرف تو خود زر ہیں۔ اور باقی رہا تیسرا حصہ عین۔ تو عربی میں اس کے معنی بھی زر کے ہیں۔ گویا شاعر کہتا ہے۔ کہ زرع بالتمام زر ہی ہے۔ مگر ہم اوپر لکھ چُکے ہیں۔ کہ زرع بجائے زر کے ہندوستان میں افلاس کا گھر ہو رہی ہے۔

لیکن اگر غور سے دیکھا جائے۔ تو صاف معلوم ہوگا۔ کہ واقعی زراعت کیمیا ہے۔ اور اسے جھوٹی وہمی خیالی کیمیا سے جو مس کو طلا کر دیتی ہے۔ کئی درجہ فضیلت حاصل ہے۔

پہلی فضیلت تو یہ ہے۔ کہ اس کا علم یقینی اور عینی ہے۔ کیونکہ ہم روزمرّہ دیکھتے ہیں۔ کہ ایک دانہ کو بونے سے کس قدر خوشے پیدا ہوتے ہیں۔ مَیں نے علاقہ بارانی میں ایک باجرہ کے دانے سے ۵۲ عدد خوشے نکلے دیکھے۔ اور اسی طرح ایک جوار کے دانہ سے ایک پاؤ غلّہ حاصل ہوا۔ یہ مبالغہ نہیں ہے۔ بلکہ زرعی نمائشوں میں دیکھا گیا ہے۔ کہ اگر کوشش کیجاوے۔ تو کسقدر زیادہ پیداوار ہوسکتی ہے

اس امر کو بالفرض چھوڑ دیا جائے۔ اور ایک دانہ سے ایک خوشہ ہی نکلے۔ اور ایک بال کا حساب کیا جاوے۔ تو کیا یہ کیمیا نہیں ہے۔ ذیل میں دکھایا جاتا ہے۔ کہ ایک تولہ وزنی جنس میں کسقدر دانے ہوتے ہیں۔

نام جنس	دانے فی تولہ	نام جنس	دانے فی تولہ
جَو	۳۷۰	مونگ	۵۰۰
مکّی	۷۶	نخود	۱۰۰
گندم سفید	۳۵۰	باجرہ	۱۶۰۰
گندم وڈانک (دیمن)	۲۴۰	تِل	۳۰۰۰
سرسوں	۲۸۰۰	بنولہ	۲۸۸
ماش	۳۰۰	دھان	۶۰۰
موٹھ	۶۰۰	جوار	۶۰۰

اَور ایک دانے سے ایک تولہ غلہ کا حاصل ہونا معمولی بات ہے۔ تو اب دُنیا میں وُہ کونسی تجارت ہے۔ وُہ کونسا ہُنر ہے اور وُہ کونسا پیشہ ہے۔ وُہ کونسا بیوپار ہے جِس میں ایک سے اتنے گُنا نفع حاصل ہو۔

تِجارت میں ہمیشہ گھاٹے کا خوف رہتا ہے۔ اور بہت سے ردّ و بدل میں کئی ساہوکاروں کا دیوالہ نِکل جاتا ہے۔ گو زمیندار کو بھی آفاتِ سماوی سے واسطہ پڑتا ہے۔ مگر تاہم یہ کبھی نہیں دیکھا گیا۔ کہ ایک پائی غلہ بویا جاوے۔ تو اُس سے پیداوار اُس سے بھی کم حاصل ہو۔ ہاں زمینداروں میں

کاشتکاری کی ترقی کا شوق نہیں رہا۔ اور مقابلہ کا میدان بہت وسیع ہے۔ ایک طرف امریکہ کے زمیندار سائنس کی مدد سے ذرا سی کھاد ڈال کر اعلےٰ پیداوار تیار کر سکتے ہیں۔ دوسری طرف اہلِ یورپ جدید آلاتِ کشاورزی لئے آبپاشی میں مصروف ہیں۔ اور ہمارا ہندوستانی کاشتکار ہے۔ کہ گاہڑی پر بیٹھا ہوا دقیانوسی چاہ کی رُوں رُوں کی آواز بیٹھا سُن رہا ہے۔ اور وُہ اُسی آواز میں مست ہے۔ اور ایسا مست ہے۔ کہ اُسے دُنیا و مافیہا کی کچھ خبر نہیں۔ کہ کیا ہو رہا ہے۔ اور کس طرح اِسکے ہم پیشہ زمیندار غیر ممالک میں ترقی کے زینہ پر چڑھ گئے ہیں۔ اور کرّہ ہوائی کی نائٹروجن علحدہ کرکے اپنی اراضی میں تحلیل کرکے اُسے قابلِ زراعت بنا رہے ہیں۔

دوسری فضیلت کاشتکار کو یہ ہے۔ کہ کھُلے میدان میں کھُلے دل سے یہ عمل کیا جاتا ہے۔ نہ اِس میں بُخل ہے اور نہ اس میں رازداری۔ بلکہ کسان ہے۔ کہ اپنی کیمیاگری کے تجربوں میں اپنے میٹھے سُروں سے لوگوں کا دِل لُبھاتا ہے۔ اور زبانِ حال اور زبانِ قال سے پُکار پُکار کر کہتا ہے۔ کہ اے لوگو! آؤ۔ اور میری کیمیاگری کا معائنہ کرو۔ اور تم بھی کھُلے دِل سے

یہ پیشہ اختیار کرو۔ یہاں بخل اور رازداری کا کام نہیں میدان
وسیع اور کشادہ ہے۔ ہاں تمہیں کمربستہ ہونا چاہئے۔ اور
محنت اور ہمّت درکار ہے۔ اور بس۔ لیکن اُس دوسری
خیالی وہمی کیمیاگری میں بُخل اور اخفا ہے۔
تیسری فضیلت اِس کیمیاگری میں یہ ہے۔ کہ یہ خزینۂ
رحمت ہے گنجینۂ عافیت ہے۔ درندوں۔ چرندوں۔ پرندوں
کیواسطے ہر وقت دسترخوان کھُلا رہتا ہے۔ مسافروں کے
واسطے کبھی سبز بچھونا ہے۔ اور کبھی دلربا نظارہ۔ غریبوں
گداگروں کے واسطے ہر وقت **خوش آمدید** کی آواز نکلتی
ہے۔ جانوروں اور مویشیوں کے واسطے ہر وقت راستہ
کشادہ ہے۔ اِن سے گذر کر حشرات الارض اور کیڑے مکوڑوں
کیواسطے غلّہ کا نچھاور کیا جاتا ہے۔ کھیت لہلہا رہا ہے۔ تو
صرف زمیندار۔ مزارع اور اِن کے متعلقین کو خوش نہیں کرتا
بلکہ گاؤں کے پیشہ وروں۔ ترکھان۔ لوہار۔ کوزہ گر۔ معمار۔
موچی۔ کوٹانہ۔ چوڑہا۔ چھاجی۔ گداگر۔ راکھا وغیرہ سب کا دِل
تازہ کر رہا ہے۔ کیونکہ وُہ سب جانتے ہیں۔ کہ زمیندار کا
کھیت اُنکا اپنا تروتازہ گلشن ہے۔ پٹواری۔ قانونگو۔ محرّر نہر

داروغہ۔ سب اورسیر۔ نمبردار۔ ذیلدار اور اُن کے ملازمین کے واسطے بھی آرام گاہ ہے۔ وُہ جو چاہیں منگالیں۔ زمیندار ہے کہ ہاتھ بھی باندھتا ہے۔ پاؤں بھی چومتا ہے۔ اور اپنی کیمیاگری کی برکت سے سب کو مالا مال کر دیتا ہے۔ اور زبانِ حال سے کہتا ہے۔ ؎

وُہ آئیں کھیت پر اپنے خدا کی رحمت ہے
کبھی ہم اُنکو کبھی اپنے ہل کو دیکھتے ہیں

اور کبھی شیخ سعدی علیہ الرحمتہ کا مقولہ وردِ زباں ہے ؎

کیمیاگر بہ غصہ مُردہ ورنج   بندہ اندر خرابہ یافتہ گنج

یعنی پٹواری اور محررِ نہر کی مہربانی سے خرابہ ملا۔ اور خوب بچت ہوئی۔

چوتھی فضیلت .... وہی کیمیاگر کو ہر وقت یہ خوف رہتا ہے۔ کہ میرا حال حکّامِ وقت کو معلوم نہ ہووے۔ بلکہ کیمیاگر آبادی سے بھاگ جاتا ہے۔ برخلاف اسکے زراعت ایک ایسی کیمیا ہے۔ کہ خود بخود اپنی خبریں حکّام تک پہنچاتی ہے۔ اور خوشی و فرحت کا آوازہ بلند ہو کر شہنشاہِ انگلینڈ تک پہنچتا ہے۔

پانچویں فضیلت وہمی اور خیالی کیمیاگری جو در اصل عنقا صفت ہے۔ اور بالفرض مان بھی لیں۔ کہ اس کا وجود کچھ ہے تو بھی اس کا فائدہ ایک شخص واحد تک محدود ہوتا ہے۔ ایک زمیندار اپنی معمولی کیمیاگری سے جس میں اُسے ایک کدال پانی کا گھڑا درکار ہے۔ ایک آم کی گٹھلی لیکر زمین کے حوالہ کر دیتا ہے۔ اب دیکھئے کہ اسکی کیمیاگری سے بیٹے اور پوتے نفع اُٹھاتے ہیں۔ زیتون کا درخت ہزار سال عُمر پاتا ہے۔ اور اُس ہزار سال میں کروڑہا لوگ اُس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ کیا اس سے بڑھکر کوئی اور کیمیاگری ہے

ایک بڑھ کا درخت جو ایک زمیندار نے لگایا۔ گرمیوں میں کسقدر آرام دیتا ہے۔

اِس سے معلوم ہؤا۔ کہ اِس کیمیا کا نفع اور فائدہ دیرپا ہے اور اس سے ہزاروں لاکھوں اشخاص نسلاً بعد نسلٍ فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ درحالیکہ اُس جھوٹی وہمی خیالی کیمیا سے ایک شخص بھی فائدہ نہیں اُٹھاتا۔ بلکہ بقولِ مولانا حالی ؎

دیتا ہے تانبے کو جو دہ تاؤ پیتاؤ پوچھتا یار و نسے ہے سونیکا بھاؤ
رہ گئی اِک آنچ کی باقی کسر

چھٹی فضیلت اُس خیالی کیمیاگری میں سخاوت کہاں. مگر اِس کیمیا یعنی زراعت میں کسقدر سخاوت ہے۔ کتنوں کے پیٹ بھرتے ہیں۔ کتنوں کی اُمیدیں اِس سے وابستہ ہیں اور کس قدر فوائد مُلک اور ابنائے ملک کو حاصل ہوتے ہیں۔

باب سیوم

زراعتِ ہند کا موجودہ کیا حال ہے

اگرچہ عام طور پر ہمارے دل میں یہ خیال جاگزین ہے۔ کہ دُنیا میں سب سے زیادہ غلہ پیدا کرنے والا ملک ہمارا ہندوستان جنّت نشان ہے۔ ہم دہلی برادرز کے ایجنٹ ہر شہر میں دیکھکر کہتے ہیں۔ کہ ہمارا ہی مُلک ہے۔ جو ممالکِ غیر کی روٹی کا کفیل ہے۔ لیکن جب ولایت کی منڈیوں کی سیر کریں۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ وُہ فقط ایک خواب تھا۔ جسکی تعبیر یاس ہے۔

ہندوستانی گیہوں کی کوئی قدر نہیں۔ کیونکہ اِس میں اوّل تو اسقدر مٹی کی آمیزش ہے۔ کہ نازک طبع گورے آدمی بھلا کب گوارا کرسکتے ہیں۔ کہ وُہ کھانے کی شے میں مٹی کے اجزاء دیکھیں۔ جو لوگ بال کی کھال نکالنے والے

ہوں۔ اور ستاروں سے ہمکلامی کے ارادہ کر رہے ہیں۔ اِنکی آنکھیں کب پسند کرتی ہیں۔ کہ وُہ غلّہ میں مٹی دیکھیں۔ اِسکے علاوہ دوسری آمیزش جَو کی ہے۔ گو غذائیت کے لحاظ سے جَو کا درجہ بھی کچھ کم نہیں۔ مگر وُہ چیز اَور۔

اِسکے علاوہ اس قدر مختلف اقسام کی گیہوں ہندوستان سے آتی ہے۔ کہ ایک کا ناقص ہونا دوسری پر بھی بہت بُرا اثر ڈالتا ہے۔ یاد رکھو۔ کہ عمدہ اور اعلےٰ چیز کی ہر جگہ قدر ہے۔

چنانچہ زرعی کانفرنس الہ آباد۔ جنوری ۱۹۱۱ء میں ہندوستانی روئی و گیہوں کی کاشت کے متعلق بہت مفید اور دلچسپ گفتگو ہوئی۔ جس کا خلاصہ درج ذیل کیا جاتا ہے۔

مسٹر ہاورڈ ماہر علم نباتات و اقتصاد نے بیان کیا کہ ہندوستان اور خصوصاً گنگا کے میدانوں میں جو گیہوں بویا جاتا ہے۔ اُسکی پیداوار اور عمدگی میں بہت کچھ ترقی ہو سکتی ہے۔ یہ بات معمولی کساں کے اختیار میں ہے۔ کہ وُہ بدُوں قیمتی مشینری اور کل وغیرہ کے خریدنے کے یہ بات کر سکتا ہے۔ خواہ ہندوستان میں بکری کے لئے ہو۔ یا یورپ میں

دساور پر بھیجنے کے لئے۔ عمدہ گیہوں کی قدر سب جگہ یکساں ہے سخت اور آسانی سے پس جانیوالا گیہوں جس میں شوریّت کی فیصدی اوسط زیادہ ہو۔ سب سے زیادہ قیمت پاتا ہے۔ اِس بات کے لئے یہ امر نہایت ضروری ہے کہ گیہوں کے نمونے اور انکی رنگت ہمیشہ یکساں ہونی چاہیئے۔ گیہوں میں مٹّی۔ کوڑا کرکٹ یا جَو اور دوسری تخم کی آمیزش بالکل نہیں ہونی چاہیئے پوسہ کے زراعتی کالج میں گیہوں بو کر اس بات کا تجربہ کر لیا گیا ہے۔ کہ ہندوستان میں نہایت اعلیٰ قسم کے گیہوں پیدا ہو سکتے ہیں۔ اور اِنکی پیداوار میں بڑی زیادتی ہو سکتی ہے۔ گیہوں کی عمدگی اِس طرح بڑہائی جا سکتی ہے۔ کہ تخم بہت اچھّا زمانہ موجودہ کے طریقوں کے موافق پسند کر کے بویا جاوے۔

پوسہ میں گیہوں کی بکثرت پیداوار اس طرح ہوئی۔ کہ گیہوں کے بونیوالے کھیتوں کی زمین میں لوہے کے چھوٹے چھوٹے ہل چلوا کر۔ اپریل۔ مئی۔ جون کے گرم مہینوں میں اِس زمین کو دُھوپ اور ہوا خوب لگنے دی۔ اور پھر زمین کا اچھّی طرح بندوبست کر کے برسات کی نمی کو گیہوں بونے کے وقت تک

محفوظ رکھا۔ ہر کاشتکار یہ تمام تدابیر آسانی کر سکتا ہے۔
پوسہ کے تجربات کے نتائج اور طریق کاشت انگریزی کتاب پوسا بولیٹن ۱۳ میں بالتفصیل درج ہیں۔ جو آجکل میسرز تھیکر اسپنک اینڈ کمپنی طبع کرا رہے ہیں۔

اس کتاب میں اس بات کو ثابت کیا گیا ہے۔ کہ ہندوستان میں اعلیٰ درجہ کا گیہوں پیدا ہو سکتا ہے۔ اور اعلیٰ درجہ کے گیہوں کا تخم کاشت کے لئے پوسہ کے زراعتی کالج سے مل سکتا ہے۔ موسم گرما کی کاشت اور نمی کو محفوظ رکھنے اور کبھی کبھی سبز کھاد سے کھیت کے سٹپٹہ باندھ دینے سے کھیت میں گیہوں کی پیداوار دگنی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ ان تدابیر سے تخم ڈالنے کے بعد کھاد ڈالنے یا پانی سے آبپاشی کرنے کے بغیر یا پانی برسنے کے بغیر ایک ایکڑ زمین میں تیس من سے زیادہ گیہوں پیدا ہوئے ہیں۔ اس میں شک نہیں۔ کہ ان تدابیر پر کاربند ہونے سے گیہوں اور اس فصل کی پیداوار جو دریا کی نزدیک کی زمین پر بوئی جاوے۔ بہت کچھ بڑھ سکتی ہے۔

ان تدابیر پر عمل کرنے سے صرف دس برس کے اندر

انگلستان میں فی ایکڑ دومن زیادہ اور ممالک متحدہ امریکہ میں ایک من زیادہ گیہوں کی پیداوار بڑھ گئی - جو کچھ ان مغربی ممالک میں ان تدابیر سے نتیجہ نکلا ہے - وُہ ہندوستان میں بھی نکل سکتا ہے -

اُمید ہے - کہ دس برس کے عرصہ میں ہندوستان میں کم سے کم فی ایکڑ ۳۲ من پختہ گیہوں کی پیداوار ہو سکتی ہے - اگر یہ تسلیم کر لیا جاوے - کہ ہندوستان میں اس کل زمین کی مقدار جس پر گیہوں کاشت ہوتی ہے - تین کروڑ ایکڑ ہے - تو دس برس کے اندر ہندوستان میں دو کروڑ من گیہوں کی پیداوار بڑھ سکتی ہے -

آنریبل مسٹر ہوپیس نے رُوئی کے بارہ میں بیان کیا - کہ روئی کی زراعت قدیم الایّام سے ہے - رامائن میں اس کا ذکر ہے - اور منو نے اپنے شاستروں میں ہدایت کی ہے کہ برہمن کا جنیو سوت کا ہونا چاہیئے -

اس سے ثابت ہوتا ہے - کہ روئی کا حال دُنیا کو کئی ہزار سال سے معلوم ہے - جبکہ انگلستان میں تہذیب پھیلی بھی نہ تھی - اور دُنیائے جدید (امریکہ) دریافت بھی نہ ہوئی تھی - بلکہ جب کہ

اس کے دریافت کرنے کا خیال بھی کسی کے ذہن میں نہ آیا تھا۔ رُوئی کے پیداوار کے لحاظ سے ہندوستان تمام دنیا میں دوسرے درجہ کا مُلک ہے۔ تمام دنیا میں ہر سال دو کروڑ بوریوں کے قریب رُوئی پیدا ہوتی ہے۔ اس میں سے امریکہ میں ایک کروڑ بیس لاکھ۔ ہندوستان میں بچاس لاکھ۔ اور باقیماندہ اور ممالک مثلاً افریقہ۔ مصر۔ برازیل جزائر غرب الہند وغیرہ میں تیس لاکھ بوریاں رُوئی کی تیار ہوتی ہیں۔

کپاس کے کھیت کو ہر سال نہایت احتیاط اور ہوشیاری سے بونا چاہیئے۔ کپاس کا تخم نہایت عمدہ منتخب کرنا چاہیئے کھیت کو زرخیز بنایا جاوے۔ آبپاشی اچھی طرح کی جاوے زاید پانی کھیت سے نکال دیا جاوے۔ ساگ پات کو کاٹ چھانٹ کر فصل کے دشمن کیڑوں سے اسکی حفاظت کیجائے۔ اگر اسی طور پر عمل کیا گیا۔ تو کپاس کے بونے سے بہت فائدہ ہوگا۔ اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ اوّل ہندوستان میں رُوئی بہت اچھی پیدا ہوا کرتی تھی۔ اسلئے کہ پچاس یا ساٹھ برس کا عرصہ گذرا جب اس رُوئی سے ڈھاکہ کے ململ کے تھان تیار کئے

جاتے تھے۔ تو وہ ایسے نفیس ہوتے تھے۔ کہ ایک مسلّم تھان انگشتری میں سے نکال لیا جاتا تھا۔ اندازہ لگایا گیا ہے۔ کہ ڈھاکہ کی ململ ایسے نفیس سُوت سے تیار کیجاتی تھی۔ کہ اسکے ۲۵۰ میل لمبے تاگے کا۔ وزن صرف سات چھٹانک سے کچھ زیادہ ہوتا تھا۔ آجکل کے نمبر ۱۶۸ تاگے کے صرف ۸ میل کی لمبائی کا وزن ایک پونڈ ہوتا ہے۔ بنگالہ کی معمولی روئی سے نمبر ۱۶۸ سے بڑھکر اور زیادہ باریک تاگا نہیں کھنچا جا سکتا۔

کپاس کی زیادتی پیداوار کا مسئلہ ہندوستان کے لئے نہایت اہم اور دلچسپ مسئلہ ہے۔ اسلئے کہ جسقدر عمدہ روئی کو کاشتکار ترقی دینگے۔ اُسی قدر زیادہ اُنکو مالی فائدہ حاصل ہوگا۔ رُوئی کی ہر سال ہندوستان میں اور یورپ میں روز افزوں مانگ ہے۔

ہندوستان میں پہلی کاٹن مل (کپڑے کا کارخانہ) ۱۸۱۷ء میں بنی تھی۔ جسکو اَب ۹۴ سال ہوگئے۔ پچاس سال گذرے کہ کاٹن مل کی تعداد ۱۰۳ تک پہنچ گئی۔ اُسوقت اُن کارخانوں میں ۷½ لاکھ بوریاں روئی کی صرف ہوتی تھیں اور (۷۷۰۰)

آدمیوں کی معیشت چلتی تھی۔ آجکل ہندوستان میں دوسو ساٹھ کاٹن ملز ہیں۔ ان میں بیس لاکھ سے زیادہ بوریاں رُوئی کی ہرسال صرف ہوتی ہیں۔ اور ان کارخانوں میں آجکل (۲۳۷۰۰۰) آدمی ملازم ہیں۔ اَب بھی رات دِن رُوئی کی زیادہ مانگ ہے۔ مگر روئی صاف مضبوط۔ اچھّی اور لمبی ریشہ والی ہونی چاہئے۔ اگر موٹے ریشے کی روئی پیدا ہوگی۔ جو صرف رضائی لحاف اور گدوں میں بھرنے کے قابل ہو۔ تو پھر روئی کی تجارت کو فروغ حاصل نہیں ہو سکتا۔

سنہ ۱۸۶۴ء کی امریکہ کی جنگ سے زیادہ تر رُوئی ہندوستان سے دِساور کو جانے لگی۔ امریکہ میں اس لڑائی کے سبب سے رُوئی کا ایسا قحط پڑا کہ اُسوقت امریکہ کی رُوئی چار روپے سیر بکنے لگی۔ لنکاشائر کے کارخانہ دار ہندوستان کی رُوئی سے نفرت کرتے تھے۔ مگر اب مجبُور ہوکر ہندوستان کی رُوئی استعمال کرنے لگے۔ اَور اَب چنداں نفرت نہیں۔ لیکن یہ بات ضرور ہے۔ کہ جاپان اور یورپ کے ممالک میں سوائے انگلینڈ کے ہندوستان کی روئی بہت پسند کی جاتی ہے ہاں اگر ہندوستان کی روئی سفید رنگ لمبے ریشہ کی ہوگی۔

تو انگلستان میں بھی بڑی قدر پائیگی۔ ماہ جولائی ۱۹۱۰ء میں انگلستان کے کارخانہ داروں روئی کا ایک ڈیپوٹیشن لارڈ مارلے وزیر ہند کیخدمت میں حاضر ہوا۔ کہ گورنمنٹ آف انڈیا پر حسب ذیل باتوں کا زور دیا جاوے۔

(۱) ہر ایک صوبہ میں روئی کا ایک جداگانہ سررشتہ قائم کیا جاوے۔ اور اسی میں مناسب اسٹاف ہو۔ اس سررشتہ کا کام فقط روئی کی کاشت کی نگرانی ہو۔

(۲) ہندوستان میں ولیسی روئی ہی کی ترقی دینے کے لئے کوشش کیجاوے۔ غیر ملکی روئی کی کاشت قطعی نہ کیجاوے۔

لارڈ مارلے نے انکی تجویز دوم سے اتفاق نہیں کیا لیکن ہمارا مقصد اس تحریر سے یہ ہے۔ کہ انگلستان کے لوگ دل سے چاہتے ہیں۔ کہ ہندوستان کی روئی کیا بلحاظ مقدار اور کیا بلحاظ عمدگی ترقی پذیر ہو۔ گو اس میں اُن کا اپنا فائدہ مضمر ہے مگر افسوس صد افسوس۔ کہ ہم ہندوستانی خواب غفلت میں خراٹے لے رہے ہیں۔ اور ذرا بھی اپنی زراعتی ترقیوں کیطرف راغب نہیں ہوتے۔ خدا گورنمنٹ انگلشیہ کا بھلا کرے۔ کہ اُس نے

پوسہ زراعتی کالج قائم کرنے کے بعد ہر صوبہ میں ایک زراعتی کالج کھولنے کی تجویز کی ہے۔ چنانچہ پنجاب میں لائل پور کا زراعتی کالج دیکھنے کے لائق ہے۔

فصل اوّل

گورنمنٹ ہماری مدد کرنیکو تیار ہے

تو پھر کیوں نہیں۔ کہ ہندوستان کے زمیندار زراعتی کالجوں سے فائدہ اُٹھائیں۔ بلکہ گورنمنٹ کا ہاتھ بٹائیں۔ کیونکہ اس میں خود اہلِ مُلک کا فائدہ ہے۔ گورنمنٹ نے لاکھوں روپے زمینداروں کی بہتری کے متعلّق خرچ کر دیئے ہیں۔ اور ہر سال نئی تجویزیں ہوتی ہیں۔ کئی ماہر یورپین صرف اُن کیڑوں کی تحقیقات میں مصروف ہیں۔ جو گیہوں یا رُوئی وغیرہ کے پودوں کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ ابھی حال کا ذکر ہے۔ کہ ایک ماہرِ علم نباتات بصرہ سے منگایا گیا ہے۔ جسے کھجوروں کے متعلق ایک بڑا تجربہ حاصل ہے۔ چنانچہ اُس عربی عالم کی زیرِ نگرانی خاص ملتان اور مظفر گڈھ میں جہاں کی زمین کھجور کے درختوں کے واسطے بہت مناسب تصوّر کی گئی ہے

ایک بڑا ذخیرہ عربی کھجوروں کا لگایا گیا ہے۔ ہم نے اِس عربی باغبان سے ملاقات کی۔ اور اُس نے یقین دلایا۔ کہ اِس جگہ کی زمین نہایت عمدہ ہے۔ کچھ تعجّب کی بات نہیں۔ کہ دس سال کے بعد عرب و مصر کی اعلےٰ کھجور اِس جگہ تیار ہو سکے۔ اُس ولایتی کی زبان عربی ہے۔ اَب تو اُسے اُردو زبان کی بھی شُد بُد ہوگئی ہے۔ یہ فقط ایک مثال پیش کیگئی ہے۔ جو گورنمنٹ عالیہ کی فیاضیوں کا ایک ادنےٰ نمونہ ہے۔

زمینداروں کی بہتری کا گورنمنٹ کو اِسقدر خیال تھا۔ کہ ایکٹ انتقال اراضی کے پاس کرنے کی ضرورت معلوم ہوئی۔ چنانچہ اب زمینداروںکو محسوس ہوا ہے۔ کہ اِس ایکٹ سے کیا کیا فوائد حاصل ہُوئے۔ مَیں دعوےٰ سے کہتا ہوں۔ کہ اگر قانون انتقال اراضی پاس نہ ہوتا۔ تو زمینداروں کی تباہی بالکل قریب تھی۔ مگر گورنمنٹ کی نظر غائر اور وسیع تجربہ کی داد دینی چاہیئے۔ اور عوام کو متنبہ کر دینا چاہیئے۔ کہ غیر زراعت پیشہ اقوام کس طرح سے جونک بن کر زمینداروں کا خون چُوس رہے ہیں۔ اور کس طرح

سے انکی زمینات رہن در رہن سے بیع میں منتقل ہو رہی ہیں
یہی احسان جو گورنمنٹ نے زمینداران پنجاب پر کیا ہے اِس
کے شکریہ کیواسطے زبان قاصر ہے۔ اور زمیندار دُعائیں کرتے
ہیں۔ کہ یہ راج عرصۂ دراز تک قائم رہے

ہاں ایک دوسری بات بھی مؤدّبانہ طور پر گذارش کرنی
ضروری ہے۔ اور گذارش کرنے اور گوشگذار کرنیکی ضرورت تو
نہیں۔ کیونکہ گورنمنٹ عادل سے بھلا کب پوشیدہ ہے۔
کہ سُود اور سُود در سُود کے ناگوار اور ناجائز بوجھ سے زمینداروں
کی کمرِ ہمّت ٹوٹ چکی ہے۔ اور اَب وُہ جاں بلب ہو کر ہانپ
رہے ہیں۔ اِس سُود کا بھی کوئی انسداد ہو جاوے۔
تو خُوب ہو۔

ہم نے اِس مسئلہ پر بہت سے خیرخواہاں اور بہی خواہان
ملک سے تذکرہ کیا۔ اور بہت سے احباب نے یہ تجویز پیش
کی۔ کہ کیا وجہ ہے۔ کہ زمیندار اپنے مشترکہ سرمایہ سے
زراعتی بنک جاری نہیں کرتے۔ چنانچہ جہاں جہاں ایسے
بنک کھولے گئے ہیں۔ وہاں زمینداروں اور کاشتکاروں کو
بڑا فائدہ پہنچ رہا ہے۔ پس ضروری ہے کہ زمینداروں کو

چاہیئے کہ وُہ ہر بڑے شہر یا کم ازکم ایک تحصیل میں دو
زراعتی بنک جاری کریں۔ کیونکہ اگر زمیندار نئے مہاجنوں
کے سُود در سُود کے شکنجے سے نجات حاصل کرنا چاہتے
ہیں۔ تو فقط یہی ایک ذریعہ ہے۔ کہ وُہ سب ملکر

فصل دوئم } زراعتی بنک جاری کریں

اتفاق میں خداوندکریم نے بڑی برکت دی ہے۔ بڑے
بڑے مکان اور عالیشان قلعے جو ہم کو نظر آتے ہیں۔ اینٹ
گارے کے اتفاق سے بنے ہیں۔ ایک اینٹ کی کیا حقیقت
ہے۔ لیکن بہت سی اینٹیں جمع ہوکر ایک عالیشان مکان
تیار ہو سکتا ہے۔ زمیندار لوگ اگر تھوڑا تھوڑا غلّہ جمع کریں۔
تو ایک اچھا خاصہ کارخانہ بنجائیگا۔ جن علاقوں میں ابھی
زراعتی بنکوں کا افتتاح نہیں ہوا۔ وہاں کے زمینداروں
کو چاہیئے۔ کہ وُہ اپنے علاقہ میں ایسے زراعتی بنک
جاری کریں۔ اور انہیں مناسب ہے۔ کہ کسی زراعتی بنک
میں کوئی سمجھ دار آدمی بھیجکر سب حالات دریافت کریں۔
اور پھر بنک کی تجویز کو عملی صورت میں لائیں۔ یقین ہے

کہ اگر ایسے بنک مُلک کے بڑے بڑے قصبوں یا زمیندارہ دیہات میں جاری ہو جاویں۔ تو زمینداروں کو بہت بڑا فائدہ ہوگا۔

زمیندارہ بنک کے متعلق مسٹر ایس ولبرفورس

رجسٹرار کواپریٹیو سوسائیٹز خاص دلچسپی لے رہے ہیں۔ اور گورنمنٹ کیطرف سے ایکٹ نمبر ۲ سنہ ۱۹۰۴ء منظور ہوچکا ہے اُس سے معلوم ہوسکتا ہے۔ کہ گورنمنٹ نے زمیندارہ بنک کی ضرورت اور اہمیت کو کس درجہ پسند کیا ہے چونکہ عوام النّاس زمیندارہ بنکوں کے اجرا مقاصد اور اصول سے نابلد ہیں۔ اسواسطے مختصر طور پر انکی کیفیّت درج ذیل کیجاتی ہے۔

یہ تجویز کیگئی ہے۔ کہ اِن زمیندارہ دیہات میں جہاں کے زمیندار رضامند ہوں۔ مندرجہ ذیل طریقوں سے زمیندارہ فنڈ۔ یا زمیندارہ بنک کھولے جائیں۔

(الف) جسقدر ممبر اس کمیٹی میں داخل ہوں۔ اُن کا نام درج رجسٹر کیا جائے۔ اور اُن میں سے ہر ایک ممبر ہر فصل پر اپنی اپنی پیداوار سے بحساب فی من ایک سیر یا دو

سیر غلّہ اس فنڈ میں داخل کیا کرے۔ جو اُس کے نام سے جمع رہے گا۔

(ب) یا یہ کہ بجائے فنڈ کے پہلے سال یا پہلی فصل میں نقد چندہ حسب حیثیّت اور حسب رضامندی لیا جاوے اور پھر ہر سال یا ہر فصل میں پیداوار سے ایک سیر فی من یا فی ہل یا فی گھر پر کوئی رقم حسب حیثیّت لگا کر وصول ہوتی رہے۔

(ج) یا شاملات دیہہ کی آمدنی اور آمدنی دہڑت سالانہ اس کام میں بطور ایک مشترکہ سرمایہ کے لگائی جاوے جس میں ہر ایک شامل ہونیوالا ممبر حصہ دار اپنی حقیت کی نسبت سے ہو۔

(د) یہ ایک قسم کا سرمایہ ایک خاص میعاد پانچ یا دس سال تک واپس نہیں ہوگا۔

(ہ) ایسے ہر ایک قسم کے سرمایہ سے وہی اشخاص قرضہ لینے کے مستحق ہونگے۔ جو اس کے ممبر ہیں۔ سوائے رجسٹر شدہ ممبروں کے کوئی شخص قرضہ لینے کے مستحق نہ ہونگے۔

(۹) جو ممبر اس سرمایہ سے قرضہ لیگا۔ وُہ مندرجہ ذیل صورتوں میں اصل رقم کے ساتھ ایک شئے زاید ادا کرتا رہے گا۔ تاکہ سرمایہ کی ترقی ہوتی رہے۔ اور شئے زاید یا نفع سُود مروّجہ سے عموماً ایک اور اس کی نسبت رکھیگا۔ یعنی وُہ زیادتی بہت ہی قلیل مقدار کی ہوگی۔

یہ ہے **زمیندارہ بنک** کا لُبّ لباب جس کا خلاصہ اوپر درج کیا گیا ہے۔

موضع پنجآور تحصیل اُونہ ضلع ہوشیارپور میں ایک زمیندارہ انجمن قائم ہے جب پہلے پہل ۱۸۹۲ء میں معاہدہ ہوُا۔ تو یہ قرار دیا گیا۔ کہ شاملات دیہہ جو ملکیت مشترکہ ہے اس انجمن کے واسطے مخصوص کردیجاوے۔ اسوقت نصف سے زیادہ شاملات تقریباً دوہزار گھماؤں ہروقت دریابُرد ہونیکے خطرے میں تھی۔ اور باقی رووکوہی (پہاڑی نالہ) سے خراب ہوجاتی تھی۔ اکیلا آدمی اُس کا انتظام نہ کرسکتا تھا۔ اگر کرتا بھی۔ تو بیفائدہ تھا۔ باہمی اتفاق کا نتیجہ یہ ہوُا کہ سرکنڈے اور درخت لگانیسے زمین بُرد ہوجانیسے بچگئی۔ اور بہت سا حصّہ زمین کا اس انتظام سے نکل آیا۔ اصلی معاہدہ

تیس سال کے لئے تھا۔ اس بات کا تخمینہ لگانا مشکل ہے۔ کہ اس میعاد کے خاتمہ پر زمین کس قدر ترقی کر جائیگی۔ ایک لاکھ شیشم کا درخت جو لگایا گیا ہے۔ صرف اسکی قیمت ہی تین چار لاکھ روپیہ کی ہو جائیگی۔ اور آخر کار مالکان کو بہت فائدہ ہوگا۔ اور سرِ دست بھی بہت فائدہ پہنچ رہا ہے۔ کمیٹی نے راہنان کی طرف سے گاؤں کے تمام رہن لے لئے ہیں۔ جن کی مالیت دس ہزار روپے کی ہے۔ اور ہمیشہ راہن کو بغیر کسی ادائگی کے اسکی زمین کا بہت سا حصّہ واپس دیا ہے۔ اسی طرح ممبروں کو چھ روپے فیصدی سالانہ سُود پہ قرضہ مِل رہا ہے حالانکہ غیر ممبران للعہ اور تیس فی صدی سُود ادا کرتے ہیں۔

یہ تو صورت وُہ ہے۔ جس سے ممبران کو روپیہ قرض لینے میں آسانی ہے۔ مگر غور و فکر سے ایسے سبیل بہم پہونچائے جا سکتے ہیں۔ جس سے ممبر اور غیر ممبر دونوں کو بحیثیت المراتب فائدہ حاصل ہو۔ کسی کام کے قائم کرنے اور چلانے کے لئے سرمایہ مستقل کی ضرورت ہے۔ اور مستقل سرمایہ کے بہم پہونچانے کے لئے لازم ہے۔ کہ جو لوگ اپنے اندوختہ

کو اس نہج سے معرض خطر میں ڈالتے ہیں۔ اُنکے لئے کوئی فائدہ کی صورت ہو۔ معرض خطر کا لفظ زیادہ موزون نہیں۔لیکن ہمنے اسے معرض خطر اسلئے رکھا۔ کہ جب تک ہمارا روپیہ ہمارے پاس ہے ہمکو اطمینان ہے۔ کہ ہماری محنت کی کمائی ہمارے پاس ہے اور جب ہم چاہیں۔ اور جس طور پر ہم چاہیں۔ اوسے نکل کر اپنے فائدہ کے لئے خرچ کریں۔ مگر جب روپیہ اپنے قبضہ سے نکلکر دوسرے کے قبضہ میں چلا گیا۔ تو اوسپر وُہ قابو باقی نہیں رہا۔ تو جب تک کہ کسی کا کوئی نمایاں فائدہ نہ ہو۔ اپنے اندوختہ کو کیوں خطرے میں ڈالنے لگا۔ اسلئے ضروری ہے۔ کہ سرمایہ بہم پہونچانے والونکو کوئی فائدہ ہو۔ جب سرمایہ موجود ہوگیا۔ تو اوسکے معنی یہ ہیں۔ کہ ایک قوّت ہمارے ہاتھ میں آگئی۔ ہم اُس سے کام لے سکتے ہیں۔ اب کام لینے کے لئے ضروری ہے۔ کہ کام کرنے والے ہوں۔ مگر ہم دیکھتے ہیں۔ کہ کوئی خوشی سے کام نہیں کرتا۔ جب تک کہ معاوضہ نہو۔ اور کام تن دہی اور دیانت داری سے نہیں ہوتا۔ جبتک کہ اوس معاوضہ میں خاص خاص صورتوں میں ترقی کا یقین نہ ہو۔ خاص صورتوں میں

ایک صورت سرمایہ کی زیادتی ہے۔ اب دیکھنا منظور ہے۔ کہ کتنے مختلف آدمیوں کو فائدہ پہنچا۔ اوّل اونکو جنہوں نے سرمایہ بہم پہونچایا۔ دوسرے محرّروں اور کلرکوں کو جنہوں نے حساب کتاب رکہا۔ تیسرے معماروں مزدوروں بڑھئیوں وغیرہ وغیرہ جنہوں نے کارخانہ کی ضروریات کا تہیّہ کیا۔ یہ تو وہ فائدے ہیں جو بیچ میں خواہ مخواہ ہوگئے۔ اصل فائدہ جو مرتب کرنا ہے یہ ہے۔ کہ حاجتمند کاشتکار کو کم سود پر روپیہ ملے۔ اُسکا نتیجہ کیا ہوگا۔ کہ سرمایہ میں ترقی ہوگی۔

ہمارا خیال تھا۔ کہ ایکٹ مذکور بالتمامہ نقل کر دیتے۔ مگر طوالت کے سبب بیان بالاپر اکتفا کیا گیا۔ زمیندار وں کو چاہئے کہ یہ ایکٹ مطالعہ کریں۔ اور گورنمنٹ نے کسی انجمن زمیندارہ کو کئی سال بلا سُود قرض دینا بھی منظور کیا ہے۔ مگر یہ ضروری ہے۔ کہ زمیندارہ بنک نیک نیّتی اور ہمّت سے جاری کیا جاوے۔ یہ نہیں کہ گورنمنٹ سے قرض ملنے کے بہانہ سے جاری کیا جاوے۔ صاحب رجسٹرار ہر سال ایسی انجمن کا حساب کتاب دیکھا کریگی۔ جو اُردو حروف میں ہونا چاہئے۔ اور رجسٹرات وغیرہ کے نمونے موجود ہیں۔

اوپر کی سطور سے بخوبی معلوم ہوجائیگا۔ کہ گورنمنٹ کس طرح ہم زمینداروں کی مدد کرنے کو تیار ہے۔ بشرطیکہ ہم بھی خواب غفلت سے بیداری اختیار کریں۔ اور کمر ہمّت باندھکر ترقی کے میدان پر اپنا قدم جمائیں۔

اسکے علاوہ جو زر تقاوی جو ہر زمیندار کو مل سکتی ہے۔ بہ نسبت ساہوکارہ قرضہ کے بہت مفید ہے۔ کیونکہ۔ اسکی شرح معمولی ہوتی ہے۔ اور سُود در سُود اور چلکانہ اور اسٹامپ اور دیگر جھگڑے نہیں ہوتے۔

گورنمنٹ عالیہ کا یہ کتنا بڑا فیض ہے۔ کہ ہر سال مصری رُوئی کے متعلق تجربے کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ حال کے تجربوں سے ثابت ہُوا ہے کہ سندھ کی زمین مصری رُوئی کیواسطے نہایت موزون ہے۔ اور اِسی بارہ میں اب زمینداروں کا فرض ہے کہ وُہ مصری بئولے منگاکر اپنے اپنے علاقہ میں کاشت کریں اس سے رُوئی کی پیداوار میں ایک بڑا عظیم الشّان انقلاب واقع ہوجائیگا۔ اور لنکا شائر کے کارخانہ دار جسقدر ہندوستان کی موجودہ رُوئی سے نفرت کرتے ہیں۔ پھر شوق سے خرید کرینگے۔ کیونکہ یہ امر محتاج بیان نہیں۔ کہ نہ صرف روئی اِسجگہ

اعلٰے درجہ کی پیدا ہو سکتی ہے۔ بلکہ گیہوں اور ہر ایک جنس مناسب تجویزوں سے دنیا میں نمبر اول حاصل کر سکتی ہے۔

فصل سیوم

پیداوار کا مقابلہ

اب ہم یہ کیا دِکھانا چاہتے ہیں۔ کہ باوجودیکہ ہندوستان کی زمین زرخیز ہے۔ باوجودیکہ یہاں کاشتکاری قدیم سے چلی آتی ہے۔ باوجودیکہ یہاں کے لوگ جفاکش اور محنتی ہیں۔ باوجودیکہ ملک کا ۴/۵ حصہ صرف کاشتکاری پر گذارہ کرتا ہے۔ باوجودیکہ گورنمنٹ سے اِس قدر مراعات حاصل ہیں۔ باوجودیکہ وسائلِ تجارت بھی چنداں دُشوار نہیں۔ مگر پھر بھی پیداوار کا اوسط بُہت کم ہے۔ پچھلے صفحوں میں ہم نے ایک مقام پر یہ ظاہر کیا تھا۔ کہ ہندوستانی کاشتکار ایک ایکڑ سے جس قدر پیداوار تیار کر سکتے ہیں۔ امریکہ اور یورپ کے کاشتکار اُس سے کئی گُنا زیادہ تیار کر سکتے ہیں۔ اب ہم ایک ایک کر کے دکھائینگے۔ کہ اجناس کی کاشت و پیداوار میں باہمی کیا تناسب ہے۔ اور اگر یہی

نسبت قائم رہتی۔ تو بھی چنداں اندیشہ کی بات نہ تھی۔ مگر افسوس تو یہ ہے۔ کہ ہندوستان کا درجہ تناسب روزمرّہ گھٹتا چلا جاتا ہے۔ اور بہی خواہانِ مُلک کا فرض ہے۔ کہ وُہ اُس طرف خاص توجہ کریں۔ ورنہ ہندوستان میں افلاس کا پہلے سے ہی زور شور ہے۔ اگر زراعت میں دیگر ممالک کا مقابلہ نہ ہو سکا۔ تو پھر بہتری کی کیا اُمید ہو سکتی ہے کیونکہ اُن ممالک ہیں جو اِسوقت ہندوستان کی اشیائے برآمد کا بڑے اہتمام سے مقابلہ کرتے۔ اور اِسے روزمرّہ شکست دے رہے ہیں۔ صنعت وحرفت اور خصوصًا ایجاد و اختراع کا زور ہے۔ اگر ان ممالک میں زرعی پیداوار نہ بھی ہو۔ تو وُہ اپنی ایجاد و اختراع۔ اور صنعت وحرفت کے سبب اپنے مُلک کی دولت بڑھا سکتے ہیں۔ برخلاف اِسکے ہندوستان میں لے دے کے صرف ایک زراعت ہی ہے۔ صنعت وحرفت ابھی اُسی سابقہ درجہ پر ہے۔ اور ایک ڈگری بھی نہیں بڑہی۔ ایجاد و اختراع سے محض نا بلد۔

پس اگر ہندوستان اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکتا ہے۔ تو

فقط اس کی زرعی پیداوار کی ترقی ہی ہو سکتی ہے
ہماری اُن لوگون سے رائے بالکل مختلف ہے۔ جو کہتے
ہیں۔ کہ ہندوستان کا غلّہ باہر نہ جانے پائے۔ اور اسی جگہ
رہے۔ کوئی اُن سے پُوچھے۔ کہ اگر اشیائے برآمد نہ ہوں۔
تو اشیائے درآمد کا روپیہ کہاں سے ادا کروگے۔ ہمارا
مُلک ہندوستان۔ سُوئی اور تاگا اور دیا سلائی تک غیر
ممالک کا محتاج ہے۔ اشیائے برآمد سے ہی کچھ روپیہ
مُلک میں آتا ہے۔ اگر اسے ہی بند کیا جاوے۔ تو ملک کی
دولت بڑھ چکی۔ ہاں ایک بات ہو سکتی ہے۔ کہ ہم صنعت
وحرفت کو ترقی دیں اور ملکی ضروریات کی ہر ایک چھوٹی
چیز سے لیکر بڑی تک ہمارے مُلک میں تیار ہو سکے۔ (جو موجودہ
حالت میں تقریباً ناممکن ہے) تو پھر اشیائے برآمد کو روک دینا
موزون ہو سکتا ہے۔ اس جملہ معترضہ کو چھوڑ کر ہم اصل مطلب
کیطرف رجوع کرتے ہیں۔

چاول۔ یہ جنس ہندوستان کی اعلیٰ قسم سے ہے۔ تجارت
برآمد کی رُو سے ہندوستان مین دیگر اجناس سے اس کا
نمبر اوّل ہے۔ ۱۸-۱۹ کروڑ روپیہ اس سے ہر سال

ملک کو وصول ہوتا ہے۔ اور کل پیداوار کا $\frac{1}{10}$ حصہ ہی باہر جاتا ہے۔ باقی $\frac{9}{10}$ حصہ ملک میں خرچ ہوتا ہے۔ مگر سعی اور کوشش اس امر کی کیجاوے۔ کہ اعلیٰ قسم کے چاول پیدا ہوں۔ اور فصل میں ۵ یا ۱۰ فیصدی کی بیشی ہو۔ تو اسقدر روپیہ اور ملک میں آ سکتا ہے۔ اور نہ صرف یہی بڑا فائدہ ملک کو ہوگا۔ بلکہ کثرت پیداوار سے دوسری اجناس خوردنی پر اچھا اثر پڑیگا۔ ان کی قیمت بہت گھٹ جائیگی۔ اور بہت سے غریبوں کا پیٹ بھریگا۔

امریکہ میں پہلے فی ایکڑ ۹۹۰ پونڈ وزنی پیداوار حاصل ہوتی تھی۔ مگر جب پوٹاش۔ ایسڈ فاسفیٹ اور ہڈیوں کی کھاد کا استعمال کیا گیا۔ تو پیداوار تقریبًا دوگنی ہوگئی۔ اور اس کھاد سے نہ صرف یہی مدعا حاصل ہوتا ہے۔ کہ فصل زیادہ پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ اناج کے دانے زیادہ وزنی ہوجاتے ہیں۔ اور انکی حیثیت اعلیٰ درجہ کی ہوجاتی ہے۔ چاولوں کی کھاد متذکرہ بالا اسجگہ کثرت سے نہ ملے۔ مگر اس میں شک نہیں۔ کہ انکی اور بہت سے قائمقام کھادیں ملسکتی ہیں۔ اس کا تذکرہ ہم آئندہ رسالہ کھادیں کرینگے۔ بالفعل اتنا لکھنا ضروری سمجھتے

ہیں۔کہ اگر زمیندار چاولوں کی اعلیٰ قسم کو ترقی دیویں۔ تو اُنکو ہزاروں لاکھوں کا فائدہ ہو۔کیونکہ دساور میں اعلیٰ چیز کی قدر ہوتی ہے۔

امریکہ کے چاول ۲½ شلنگ فی بشل سے ۴ شلنگ ۱۰ پنس فی بشل قیمت پاتے ہیں۔ ہندوستان کے چاول ۱۔شلنگ سے ۴ شلنگ قیمت پاتے ہیں۔اور اس زیادتی کی وجہ یہ ہے کہ امریکہ کے کاشتکار اپنے چاولوں کو زیادہ چمکدار اور صاف بنا کر زیادہ روپیہ وصول کرتے ہیں۔

ہندوستان میں دھان سے چاول نکالنے کا طریقہ بھی بہت کچھ قابلِ اصلاح ہے۔کیونکہ موجودہ طریقہ سے چاول کٹ جاتے ہیں۔ اور انکی حیثیت بہت کم ہوجاتی ہے دوسرے درجہ پر گیہوں کو لیتے ہیں۔ گندم پیدا کرنے والے ممالک حسب ذیل ہیں۔اضلاع متحدہ امریکہ جرمنی فرانس۔ کناڈا۔ آسٹریا۔ ہنگری۔ روس۔

پیداوار فی ایکڑ جو اوسطاً حاصل ہوتی ہے حسب ذیل ہے۔

نام ملک	بشل فی ایکڑ	نام ملک	بشل فی ایکڑ
اضلاع متحدہ امریکہ	۱۳۰۵	ہنگری	۱۷۰۶
روس	۹۰۴	فرانس	۱۹۰۸
جرمنی	۲۶۰۸	صوبجات متحدہ	۳۲۰
آسٹریلیا	۱۶۸۰		

ہندوستان میں بنگالہ ۱۲½ ایکڑ فی بشل اور تمام ہندوستان کی اوسط پیداوار ۱۰ بشل فی ایکڑ ہے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ پنجاب صوبجات متحدہ آگرہ واودھ صوبہ سرحدی گیہوں پیدا کرنے میں ممتاز ہیں۔ مگر اوسط پیداوار کے لحاظ سے بنگال کا نمبر زیادہ ہے۔ گو مجموعی مقدار کے لحاظ سے وہاں کا تخمینہ بہ نسبت پنجاب وصوبجات متحدہ کے بہت تھوڑا ہے۔ ہندوستان کا گیہوں تمام دُنیا کے گیہوں سے بھاری ہے۔ اور لیسدار۔ مگر قیمت زیادہ پانے کے سوا صرف یہی دو اوصاف کافی نہیں ہیں۔ مٹی جو کی زیادہ مقدار ہوجانے سے یہ بڑے اوصاف بھی کالعدم ہوجاتے ہیں۔

سطور ذیل سے مقدار برآمد معلوم ہوسکتی ہے۔

سنہ ۱۹۰۱-۲ء تین لاکھ چھیاسٹھ ہزار ٹن سنہ ۱۹۰۲-۳ء پانچ لاکھ چودہ ہزار ٹن۔

۱۹۰۳-۰۴ء بارہ لاکھ پچانوے ہزار ٹن ۱۹۰۴-۰۵ء اکیس لاکھ پچاس ہزار ٹن
۱۹۰۶-۰۷ء نو لاکھ سینتیس ہزار ٹن ممالک غیر کو بھیجا گیا۔

۱۹۰۴-۰۵ء میں تمام دُنیا میں ہندوستان کا نمبر اوّل رہا مگر ۱۹۰۶ء میں ہندوستان کا نمبر چوتھا تھا۔ اور اضلاعِ متحدہ امریکہ روس۔ ارجنٹائن نے پہلا دوسرا تیسرا نمبر چھین لیا۔ ۱۹۰۷ء میں برآمد غلہ ۸ لاکھ ٹن سے کچھ زیادہ تھی۔ اگر کافی انتظام نہ کیا گیا۔ تو دیگر ممالک کی گندم ہندوستان کو درجۂ اوّل پر ہرگز نہیں ہونے دیگی۔ اور ۱۹۰۴-۰۵ء میں جو اوّل نمبر اس کو حاصل ہوا۔ وہ پھر نہیں ملے گا۔

ناظرین نے اوپر کی سطور سے معلوم کیا ہوگا۔ کہ ہندوستان میں اوسط فی ایکڑ ۱۰۔ اور صوبجات متحدہ امریکہ میں ۳۲۔ اور جرمنی میں ۲۶۔ ہے۔ پس اس امر کی بڑی ضرورت ہے۔ کہ ہم ایسے وسائل اختیار کریں۔ جس سے پیداوار میں ترقی ہو اور صرف مقدار میں ہی ترقی کافی نہیں۔ بلکہ جنس کے اعلےٰ ہونے پر زیادہ زور دیا جاوے۔ کیونکہ مقدار کا زیادہ کرنا بہت مشکل ہے۔ ہاں موجودہ مقدار کو اعلےٰ درجہ پر پہنچانا کچھ مشکل نہیں۔ اور یہ امر تیاری زمین۔ کھاد۔ بیج

آبپاشی پر موقوف ہے۔

روئی۔ اِس کی کاشت زمانۂ قدیم سے ہے۔ ایک زمانہ تھا۔ کہ ڈھاکہ کی ململ تمام دُنیا میں مشہور تھی۔ اور اسکی نفاست کے متعلق پچھلے اوراق میں لکھا گیا ہے۔ کہ ایک تھان اس قدر باریک اور اس قدر نفیس ہوتا تھا۔ کہ اُسے حلقۂ انگشتری میں گذار سکتے تھے۔ مگر افسوس ہے۔ کہ کاشتکاروں کی غفلت سے اِس قدر ناقص اور مختلف اقسام کی رُوئی ہندوستان میں پیدا ہوگئی ہے۔ کہ اِسکی دساور میں چنداں فروخت بھی نہیں۔ اور نہ اسقدر قیمت ہی پاتی ہے جسقدر کہ ممالک غیر خصوصًا امریکہ کی روئی۔

اندازہ لگایا گیا ہے۔ کہ کُل دُنیا میں ہر سال ایک کروڑ ۸۵ لاکھ بوریاں جن میں سے ہر ایک بوری ۵۰۰ پونڈ وزنی ہوتی ہے۔ تیار ہوتی ہیں۔ اِس میں سے ۸۰ فیصدی تو اضلاعِ متحدہ امریکہ ہی تیار کرتا ہے۔ ہندوستان میں رقبہ زیرکاشت 19 ملین ایکڑ ہے۔ اور امریکہ میں ۲۸ ملین ایکڑ۔ مگر کہاں امریکہ کے کاشتکار جو سائنٹیفک اصولوں پر چلنے والے ہیں۔ اور کہاں ہندوستان کے دقیانوسی کاشتکار۔

نتیجہ یہ ہے۔ کہ امریکہ کی پیداوار ۳ گنی۔ اسپر طرّہ یہ ہے۔ کہ ہندوستان کی اعلےٰ روئی۔ اور امریکہ کی ادنےٰ روئی باہم برابر ہیں۔ اسواسطے امریکن روئی یورپ میں خوب کھپتی ہے۔ اور لنکا شائر کے کارخانہ داران نہایت خوشی سے خرید کرتے ہیں۔ جب امریکن روئی معمولی درجہ کی تھی۔ تو ہندوستان سے ۳۰ فیصدی روئی منگائی جاتی تھی۔ مگر جو تخمینہ موجودہ ہے۔ اُس کا اندازہ اسی سے معلوم ہو جائیگا۔ کہ برطانیہ کلاں کو ۳۹ لاکھ بوریونکی ضرورت ہے ہندوستان صرف ایک لاکھ سپلائی (دہتیا) کرتا ہے۔ امریکہ ۳۱ لاکھ باقی یہاں مصر اور دیگر ممالک سے آتی ہیں۔

سطور بالا سے بخوبی معلوم ہو سکیگا۔ کہ ہندوستان میں روئی کی پیداوار کو کسقدر ترقی دینے کی ضرورت ہے۔ گورنمنٹ عالیہ نے جب دیکھا۔ کہ ہندوستان کی روئی کی وساور میں قدر و قیمت روزمرّہ گھٹتی جاتی ہے۔ تو اُس نے مصری روئی کی کاشت کے تجربے کرنے شروع کئے۔ چنانچہ معلوم ہوا ہے۔ کہ سندھ میں یہ تجربے نہایت کامیابی سے ہوئے ہیں۔ اور ہندوستان کی زمین مصری روئی کیواسطے

بالکل مناسب اور عمدہ قرار دیگئی ہے۔

فصل چوتھی

کاشتکاروں کی موجودہ حالت

اِس مضمون پر کسی تشریح اور توضیح کی ضرورت نہیں ہے کہ کاشتکاروں کا جو حال فی الحال ہے۔ وُہ نہ حُکّامِ وقت سے پوشیدہ ہے۔ اور نہ مُلک کے نبض شناس اشخاص سے۔ باستثنائے چند عموماً کاشتکار خستہ وخوار ہیں۔ نادار ہیں۔ قرض سر پر سوار ہے۔ عیش وراحت بیزار ہے۔ ہندو ہے۔ کہ نالش کرنے پر تیّار ہے۔ آگے سرکار ہے۔ وکیلوں کی بھرمار ہے۔ ہرایک پیسے والے کا مددگار ہے۔ دہقان بچارا لاچار ہے۔ نہ پیسہ رکھتا ہے۔ جو وکیلوں کو دے۔ سوائے پاؤں ہیں پڑنے۔ ہاتھ باندھنے اور بندہ بے دام ہوجانیکے اور کوئی علاج نہیں جانتا۔ کئی دفعہ دیکھا گیا ہے۔ کہ بعض کاشتکار فقط روٹی ہی پر بنیوں اور مہاجنوں ساہوکاروں کے ہاتھ فروخت ہوچکے ہیں۔ اور بعض سُود اور سُود درسُود کے شکنجوں میں آکر نانِ شبینہ سے محتاج ہیں۔ اور اپنی زمین۔ مال مویشی

مکان رہائش سب کچھ ساہوکاروں کی نذر کر چکے ہیں۔ گورنمنٹ نے تو اُن کے واسطے بہت انتظام کئے۔ کہ جو کاشتکار خود مالکان اراضی ہیں۔ اُن کو زر تقاوی مل سکے۔ اور ہر ایک قسم کی امداد کیجاوے۔ اور جو کاشتکاران مزارعان ہیں۔ اُن پر بھی زمیندار شرح لگان میں سختی یا زیادتی نہ کرنے پائیں۔ مگر افسوس ہے کہ زمینداروں اور کاشتکاروں کی حالت بہت ابتر ہے۔

ایک تو انکی فصل کچھ اچھی نہیں ہوتی۔ دوسرا اِن کی جہالت کے سبب معمولی اہلکار۔ پٹواری۔ محرّر نہر وغیرہ بہت سختی کرتے ہیں۔ اور بنئے مہاجنوں نے تو اِن کا خون جونک کی طرح چُوس لیا ہے۔

مولوی سراج الدّین صاحب سابق ایڈیٹر اخبار زمیندار نے بعنوان "دہقان کی داستان" ایک نظم لکھی ہے۔ جو نہایت ہی صحیح فوٹو ہے۔ اِسواسطے اُسے درج ذیل کیا جاتا ہے۔

دہقان فخریہ کہتا ہے

ابر و باراں ہیں مرے کشت و چمن کے ماشکی ہے مری سرکار میں خدمت انہیں چھڑکاؤ کی
باد کش بادِ صبا کرتی ہے محفل میں مری اور نسیمِ صبح ہے عطار میری بزم کی
ہے کیاروں میں مرے بادِ خزاں جاروب کش
لاتی ہے فصلِ بہار ہی لالہ و گُل پیش کش

کرتے ہیں لیل و نہار و چاشت و صبح و مسا سال و ماہ و ہفتہ ہا و موسمِ صیف و شتا
سردی و گرمی و تاریکی و نورِ جانفزا اپنے اپنے وقت پر سب خدمتیں میری ادا
میرے پودوں کی شعاعِ مہرِ انور - دایہ ہے
پاسباں کھیتوں کا میرے ماہِ - عالی پایہ ہے

وہ شگوفے اور میوے وہ بقولات اور ثمر جن سے خوشبو اور رونق ہے شہونکے خوان پر
یاسمیں ہے غیرتِ مشک و گُلِ رشکِ گہر جو کہ ہیں زیبِ گلوئے مہوشانِ سیم بر
سب مری خارا شگافی ہی کی ہیں گُلکاریاں
سب کے رگ ریشوں میں ہے میرا پسینا ہی رواں

حضرتِ آدم نے جس میوہ کا تھا لالچ کیا جسکی خاطر نعمتیں جنت کی وہ تھیں سب بھلا
عدن چھوڑا مائی حوا نے سفر سر پر لیا جسکو دُنیا میں کھاکرتے ہیں سب نعم الغذا
اس کی کھلیانوں میں میرے اسقدر بھرمار ہے
یاں ذخیرہ ہے وہاں خرمن ہے وہ خروار ہے

تاجِ سلطانی میں تابندہ ہیں جو لعل و گہر ہیں وہ سب قطرات میرے ہی عرق کے سربسر

میں نے ہی اپنے پسینے اور لہو کو ایک کر　　کر دیئے شاہی خزانے پُر زلعل و سیم و زر
وقت پر گر میں نہ پہنچاؤں محاصل اور خراج
شاہ پھر کون اور کہاں گنج اور کیسا تخت و تاج

خاک چھانی میں نے اور کوئی بنا تحصیلدار　　اور ہوا میری عرق ریزی سے کوئی پیشکار
میرے ماتھے کے پسینے سے بنے سب چوہدار　　میرے ہاتھ دھونے سے ہی پاسبانوں کی پکار
گرم ہٹھی اہلکاروں کی مری گرمی سے ہے
نرم گوئی چوبداروں کی مری نرمی سے ہے

میں ہی ہوں سب عابدوں ورزاہدوں کا قبلہ گاہ　　میرا تکیہ ہے فقیروں کیلئے جائے پناہ
بانئ مسجد ہوں میں اور رونقِ ہر درس گاہ　　ہر مسافر پر کھلی ہے میرے در کی شاہراہ
ایکدن بھی ڈیوٹی اپنی مجھے گر بھول جائے
مولویصاحب کی آنکھوں میں سرسوں پھول جائے

ہیں بہائم اور چوپائے مرے خدمت گذار　　اک کو ہل میں جوتتا ہوں اور ہوں اک پر سوار
بعض دیتے ہیں مجھے پینے کو شیرِ خوشگوار　　ذائقہ پر میرے۔ جاں کو بعض کرتے ہیں نثار
ہیں کسی کے پوست سے پاؤں کی میری جوتیاں
کھاد کھیتوں میں پڑیں میرے کسی کی ہڈیاں

جنس گر سمجھے تو ہوں میں جنس کا حاجت روا　　نوع گر مانے تو ہوں میں نوع کا مشکلکشا
کھلوا سکتا کوئی رزاق گر بعد از خدا　　فضل میری ہی کو استحقاق اس خاصہ کا تھا

قصّہ کوتاہ مَیں وُہ ہوں ویران ہوں جسکے بغیر
بزم و رزم و شہر و باغ و خانقاہ و چرچ و دَیر

اب اصل حالت ظاہر کرتا ہے

کہتے ہیں واعظ کہ تکلیفات ہیں حق کا کرم — اور نشانِ نورِ ایمانی ہیں رنج و یاس و غم
یا الٰہی ایسے واعظ ہوں جہاں سے جلد کم — یا انہیں کو بخش ایسا نورِ رحمت یک قلم
پر اگر ان کا کہا سچ ہے تو پھر حق کی قسم
سب سے آگے مَیں ہی اس گھڑدوڑ میں ہوں ہمقدم

ظاہراً سرسبز ہے مثلِ حنا میری پھبن — ہیں ہزاروں بحرِ خوں باطن میں لیکن موجزن
لالہ ساں ہوں سُرخرو پر دل میں ہے داغِ محن — صادق آتا ہے مری حالت پہ حافظ کا سخن
بلبلے برگِ گلِ خوشرنگ درمنقار داشت
واندروں برگ و نوا صد نالہ ہائے زار داشت

ہیں سبھی کچھ ہوں مگر ہوں اوروں کیلئے — یا زمانہ کی جفاؤں اور جوروں کے لئے
نام ہے سرکار میں میرا یہ غوروں کیلئے — یا کہیں حکّام عالیشان کے دوروں کیلئے
جسقدر جزوِ ضروری ہوں - مَیں موجودات میں
اُس سے بڑھکر آفتیں رہتی ہیں میری گھات میں

سرد مہری مہرِ انور کی کبھی ہے یاں تلک — سالہا تک ابر اُٹھتا ہی نہیں سُوئے فلک

اُس پہ گری اس غضب کی ہو کہ بس اک جھلک — خشک کر دیتی ہے خونِ دیدۂ انس و ملک

جن شعاعوں میں کبھی تھا شیرِ مادر کا اثر
وہ بنیں زہرِ ہلاہل بہر ہر نخل و شجر

مہرباں گر مہرِ انور ہو تو پھر ٹھنڈی ہوا — صورتِ ژالہ بنا دیتی ہے اِک اِک اجزا
گر ہوا بھی رحم پر ہو پھر گلا ہے وقت کا — بارشِ بیوقت بڑا غرق کرتی ہو مرا

دیکھو کھیتوں میں مِرے کھلیان ہیں ڈوبے پڑے
جس سے بھوسہ بہہ گیا دانے گلے خوشے سڑے

جب ہوئیں امساکِ باراں سے چراگاہیں خراب — بارشِ بیوقت سے بھوسہ ہوا سب غرقِ آب
گھاس چارے سے مِلا میرے مویشی کو جواب — ہل چلانیکی رہی باقی نہ بیچاروں میں تاب

میرے گھر میں دودھ گھی کا بھی ہوا قصہ تمام
غلّہ کچا طَر کیا بنیئے کے گھر جاکر سلام

شاہِ ظلّ اللہ نے حالِ پریشاں دیکھکر — رحم و شفقت سے مری حالت پہ فرمائی نظر
ترس کھایا اور کیا حکمِ تقاوی مشتہر — یہ خبر سُنکر میں خود پہنچا درِ تحصیل پر

پر خطِ تقدیر کا لکھا مٹانا تھا محال
میری قسمت کو پلٹ دینا یہ تھی کس کی مجال

ایک ہفتہ تو مرا اُمیدواری میں کٹا — تھی رضاجوئی جو پٹواری کی اصلِ مدعا
کیوں سرشتہ دار کا کرتا نہ شکریہ ادا — چوبداروں اہلکاروں کو نہ کیونکر چھپٹا

آخرش عرضی ہوئی جب یاریٔ قسمت سے پاس
بلگئی مجھکو تقاوی لیک سو میں سے پچاس

وقت پر اقساط ادا ہونا تو تھا امرِ محال — کیوں نہ سر پر آکے چڑھتا پھر مذکوریٔ مال
دے دلا کر کچھ دیا گو میں نے اک دو بار ٹال — ہر گھڑی آنا ہوا اس کا لیے مجھپر وبال

الغرض خوبیٔ بخت اور رحم ساہوکار سے
بارے چھٹکارا ہوا اس قرضۂ سرکار سے

کیا عجب بیوپار ہے سو میں ملیں مجھکو پچاس — اور سوا سو آخرش دینے پڑیں حسب القیاس
سود پھر جاری رکھے اسپر جو لالہ رام داس — تین سال آخر ہوں اور قرضہ بنے دو سو پچاس

جبکہ یوں میعاد کے قانون کا پہنچا وعید
خرچۂ نالش بھی قرضہ پر ہوا آکر مزید

دورِ دوراں کے تلوّن سے جو ہمت ہار کر — میں نے باندھا نہر شاہی کیطرف رختِ سفر
تا کہیں ہو تشنہ کامی کی مصیبت سے مفر — اور ملے دریا کا پانی مجھکو شاید پیٹ بھر

پر وہاں بھی تھا سراب اور مدعا مفقود تھا
جس زمیں پر میں گیا واں آسماں موجود تھا

زمیندار روتا ہوا کہتا ہے

تہا یقیں مجھکو کہ تہی میری ہی ملکیت زمیں روک میرے ہل کو تہی میرے سوا شاید کہیں
تہا فقط سرکار کا (وُہ بھی بشرح کمتریں) میری محنت اور پیداوار سے حق مُبیں
شرحِ نذرانہ نے ثابت کر دیا مجھ پر مگر
کالنی میں ہے خداوند دگر عالم دِگر
مَیں سمجھتا تہا کہ ہے سرکار کو میرا خیال بہتری میری ہی تہی منظور تا حدِّ کمال
میری خاطر ہی ہُوا اجرا ئے ایکٹ انتقال تاکہ ساہوکار کا سر سے ٹلے میرے وبال
پر بنے یاں مالک اکثر مالدار اور سُود خوار
وائے بر حالم کہ موروثی ہوں مَیں یا کاشتکار
جس طرح فکر و مصیبت کی بلائیں ہو سکا رحم حاصل عملۂ ڈپٹی کمشنر کا کیا
کی سفارش اور آبادیِ نَو کو چلدیا مہتمم کے اہلکاروں سے بہی واں جاکر ملا
در بدر پہرتا رہا اور دقّتیں بیحد سہیں
دے دِلاکر سارے نذرانے ملی مجھکو زمیں
اپنی بیوی اور بہو بیٹی کا زیور بیچکر اِس نئے دہندے کے سودے میں خریدے گاؤ نر
بیج ساہوکار سے لایا سوائی سُود پر اپنے گہر کے خرچ کو پہر قرض مانگا دربدر
ٹِبّے توڑے ٹیلے پہوڑے جہاڑیاں صاف کیں
کہال کہدوائے کہیں اور بند بندھوائے کہیں
جانتا تہا مَیں کہ محنت ہی مری کُل کائنات اور میرا ہی عرق ہوگا میری کہیتی کی کہات

دِن کو مَیں نے دِن نہ جانا رات کو سمجھا نہ رات　　خواب و خور میرے لئے تھی خواب کی اک واردات
ہو کے محنت اور مشقت سے بہت زیر و زبر
مَیں نے آخر بیج بویا سو اُمیدیں باندھکر
گرمیوں کی گرم بازاری سے گھبرایا نہ مَیں　　سردیوں کی خاطر آزاری سے اُکتایا نہ مَیں
بارشوں کی سخت دُشواری سے پچتایا نہ مَیں　　بلکہ پنسالی و پٹھواری سے شرمایا نہ مَیں
صُبحِ اُمید اپنی تھی دِلکش تر از شامِ وصال
شام بھی دلفزا چوں صبحِ اُمید جمال
جبکہ اپنی لہلہاتی کھیتیوں کو دیکھکر　　سبز باغ اُمید کے آنے لگے مجکو نظر
قہقہا مَیں نے لگایا گردشِ افلاک پر　　بے تحاشا مُنہ سے نکلا نعرہ فتح و ظفر
خیر مقدم ساقیا برخیز در دہ جام را
شاد باش و خاک بر سر کن غمِ ایّام را

مولوی سراج الدّین صاحب نے جس خوبی سے کاشتکاروں کی حالت کا فوٹو کھینچا ہے۔ وُہ اِنہی کا حصّہ تھا۔ یہ دردِ دل کا ہے۔ جو اُنسے ایسی بے ساختہ نظم لکھا رہا ہے۔ ورنہ مولوی صاحب نے شاعری کے میدان میں اِس سے پہلے جہاں تک ہمارا خیال ہے۔ کبھی قدم نہیں رکھا۔ ہاں وہ نثّار واقعی

ہیں۔ مگر ہم دیکھتے ہیں۔ کہ شاعری بھی تمام مراتب کے لحاظ سے نہایت قابلِ تعریف ہے۔ اور اس میں صنائع بدائع کا بھی پورا خیال رکھا گیا ہے۔ اور واقعی جو سین انہوں نے دکھایا ہے۔ وُہ قابلِ داد ہے۔ درحالیکہ اصلی حالت کی تصویر ہے۔ زمینداروں کی پہلی خیالی خوشی کا فوٹو کھینچا۔ تو ہُو بہو۔ اور اس کے بعد زرِ تقاوی۔ نو آبادکاران۔ نہر کی آبپاشی وغیرہ کے متعلق جو کچھ لکھا قلم توڑ ڈالے۔ اِس کے متعلق جسقدر تعریف کی جاوے۔ کم ہے۔

اب ہم اِس دلچسپ اور دلکش نظم کا بقیہ لکھتے ہیں۔

دہقان کی خوشی قبل از وقت تھی

آسماں بولا کہ قبل از وقت ہیں یہ سب دماغ
صُبح ہوتے تک جلا کرتا ہے کوئی ہی چراغ
پُر مئے گلگوں سے دائم کب رہا کوئی ایاغ
چند روزہ ہی ہُوا کرتے ہیں اکثر سبز باغ

کامیابی اور ناکامی ہیں دونو ہم ردیف
اور ہمیشہ ہیں بہاران و خزاں باہم حریف

پہلے خود سرکار نے پانی میں کی قطع و برید
نہ ہُئیں بوقت یا بروقت کیں اُسپر مزید
پھر ملی پنسالئے کو میری قسمت کی کلید
جس کی اِک مُٹھی میں بیم اور دوسری میں تھی اُمید

جسکی نارضی میں تختے سب گئے فوراً اولٹ
اور رضامندی سے کہیتوں کی ہوئی کایاپلٹ

کھیت پر پھر پیر پٹواری ہوا رونق فزا　　ہے حسینوں کی طرح جسکی نرالی ہر ادا
اِک طرف تو آب ضایع کا تقاضا تھا بپا　　اور خرابہ کا خیال اپنی طرف تھا کھینچتا
اُس فرشتے کے ہیں ہاتھوں کو نہ کیونکر چومتا
تھی قلم کی جسکی حرکت جنبشِ کلکِ قضا

کوئی افسر گاؤں میں کرتا ہو آ کر گھوڑ گہار　　کوئی کرجاتا ہے مجھ سے ظاہری دار و مدار
دُودھ گھی کا ہے کوئی قیمت دکھا کر خواستگار　　اور کسی صاحب کو قیمت کی رسیدیں ہیں بکار
تیوروں کا تاڑ جانا کوئی ہم سے سیکھ جائے
اپنے ہاتھوں گھر لُٹانا کوئی ہم سے سیکھ جائے

میہماں ہوں جنکے پٹواری امین اور اہلکار　　خوان پر ہوں جنکے تحصیل اور پولس کے چوبدار
اور جنہیں لانی پڑیں ساری ضروریات وہاں　　قیمتیں اُنکی لگاوے چوگنی دوکاندار
بھول کیسے جائیں یہ کمبخت ایسی افتاد
روحِ نعمت خان عالی کو کریں کیونکر نہ یاد

آنچہ بر من میرود گر بر شتر رفتے ز غم　　مے زدندے کافراں در جنت الماوا علم
دل مرا ہر چند تھا آماجگاہ تیرِ غم　　پر جفا کو میں وفا سمجھا ستم کو میں کرم
گر ز دستِ زلفِ مشکینت خطائے رفت رفت
ور ز ہندوئے شما بر من جفائے رفت رفت

کھیت کچھ پہلے ہی پانی کی کمی سے خشک تھا دورہ والونکے طویلوں میں کچھ آخر جا کھپا
حق کمینوں کا اداکرنا تو اپنا فرض تھا سر پہ چڑھکر اہلکاروں نے بھی فصلانہ لیا

قرضِ ساہوکار اور برداشتِ دوکاندار
ایک میں ہوں اور میری جان کے خواہاں ہزار

کہہ گئی کھیتی کی پیداوار جب یوں خیرباد مالئے کو آ گیا مذکوریِ نہکو نہاد
گھر ہُوا قُرق اور نیلام ساری جائداد اب ملنگوں کی طرح بیٹھا کروں مولا کو یاد

اے متاعِ درد در بازار جاں انداختہ
گوہرِ ہر سود در جیبِ زیاں انداختہ

باب چہارم

کاشتکاروں کو کیا کرنا چاہیئے۔

کاشتکاروں کی موجودہ حالت کا فوٹو جو اشعارِ بالا میں کھینچا گیا ہے۔ اس کی صداقت اور حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے واقعی ہندوستان میں عام زمینداروں اور کاشتکاروں کی یہی حالت ہے۔ پس قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ اگر انکی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ انکی ثروت اور دولت نام

کو نہیں۔ دن رات محنت میں بھی مصروف ہیں۔ مگر اُس کا پھل یہ ہے۔ کہ افلاس اور تنگدستی سر پر سوار ہے۔ آرام و عیش کا تو نام و نشان نہیں۔

پس سوال پیدا ہوتا ہے کہ اُن کو کیا کرنا چاہئے۔ جس سے اُنکی حالت اچھی ہو جائے۔ اور افلاس ایک حد تک دور ہو جاوے۔ اور اِنکو احتیاج زندگی میں کسی کا مُنہ نہ تکنا پڑے۔ بلکہ اِنکو اپنی محنت کا پُورا پھل ہے۔ یہ سوال اگرچہ ایسا نہیں کہ اُس کا جواب بہت آسانی سے دیا جاوے تاہم ہمارا خیال ہے۔ کہ اگر مندرجہ ذیل اُمور پر توجہ کیجاوے تو زمینداروں اور کاشتکارونکی بہت کچھ حالت سُدھر سکتی ہے۔

فصل اوّل۔ تجویز اوّل

تعلیم

زمینداروں اور کاشتکارونکو چاہئے۔ کہ وہ اگر خود جاہل ہیں۔ تو خیر۔ مگر اپنے لڑکوں کو ضرور تعلیم دلائیں۔ کیونکہ

جس قدر مصیبتیں زمینداروں کو لاحق ہیں۔ اِن میں جہالت سب سے بڑھکر ہے۔ اس بارہ میں معیار تعلیم بنانا مشکل ہے۔ کیونکہ ہر ایک زمیندار کے حالات مختلف ہوتے ہیں۔ لیکن اس قدر ظاہر کرنا ضروری ہے۔ کہ پرائمری تعلیم تو ہر ایک زمیندار کے لڑکے کیواسطے ضروری ہے۔ جب بچّہ پانچ سال کا ہو۔ تو اُسے مدرسہ میں داخل کیا جاوے۔ اور وُہ دس گیارہ سال کی عمر میں پرائمری کی تعلیم ختم کرلے گا۔ اسکے بعد وُہ اپنے کام کاج میں مصروف ہوجاوے۔ پرائمری تعلیم کے بعد اگر وُہ ایک آدھ گھنٹہ مذہبی تعلیم یعنی قرآن مجید پڑھنے اور مسئلہ مسایل کی کتب کے مطالعہ میں خرچ کریگا۔ تو ایک سال میں قرآن شریف بھی ختم کرلے گا۔ اور ضروری مسائل شرعیّہ سے واقف ہوجائے گا۔ افسوس ہے۔ کہ اسوقت زمینداروں کو اپنی اولاد کی طرف سے بہت بے پرواہی ہے۔ وُہ لڑکے کو مسجد میں مُلانوں کے حوالہ کردیتے ہیں۔ کہ دینی تعلیم حاصل کرے۔ مگر وہ دِن بھر یا تو میانجی کے لڑکوں کو اُٹھائے پھرتا ہے۔ یا میانجی اور اسکے محلہ والوں کا پانی بھرتا ہے۔ آٹھ آٹھ سال کی تعلیم کے باوجود قرآن شریف

ختم نہیں ہوتا۔ چھڑیوں کی مار علاوہ ہوتی ہے۔ اسواسطے ضروری ہے۔ کہ ابتدائی تعلیم سرکاری مدرسہ میں دیجاوے۔ اور پھر قرآن مجید پڑہایا جاوے۔

ہمارے نزدیک زمینداروں کو عام طور پر پرائمری سے زیادہ تعلیم کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں جس زمیندار کے بہت لڑکے ہوں۔ وہ کسی کو ہنر سکہاوے۔ کسی کو اعلےٰ تعلیم دلاوے۔ اور محکمہ مال میں اُسے داخل کرنے کی کوشش کرے۔

پرائمری تعلیم کے ساتھ ہماری رائے میں زمینداروں کو اُن حروف کی تعلیم بھی ضروری ہے۔ جو اس علاقہ میں دُکاندار تحریر میں استعمال کرتے ہوں۔ لنڈے حروف تقریباً ضلع ضلع کے جُدا ہیں۔ اور ایک سمجھدار آدمی ایک ماہ میں بخوبی سیکھ سکتا ہے۔

اس کا یہ فائدہ ہے۔ کہ وہ حساب کتاب اچھی طرح سمجھ لے گا لاہور امرتسر میں تجارتی کاروبار والے آدمی اپنے لڑکوں کو پاندھا کے پاس بھیجتے ہیں۔ جو معمولی حساب کتاب زبانی سکہا دیتا ہے۔ جو اُنکو تجارتی ضروریات میں خاصی امداد دیتا ہے۔ لیکن اِسکے ساتھ پرائمری کی تعلیم از بس ضروری ہے۔

بعض لوگ زمینداروں کے واسطے تعلیم کو مضر سمجھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ ابتدا میں جب زمیندار کا لڑکا طالب علمی کی زندگی اختیار کرتا ہے۔ تو وہ آرام طلب ہو جاتا ہے۔ اور پھر نہ وہ تعلیم کے کام کا رہتا ہے۔ اور نہ زمینداری کرسکتا ہے۔ یہ نقص ضرور پیدا ہوتا ہے۔ مگر اس کا سہل علاج یہ ہے۔ کہ جب طالب علم مدرسے کے چھ گھنٹے پڑھ کر آوے۔ تو معمولی زمینداری کے کام میں امداد دیوے۔ یعنی گھاس لانے۔ مویشیوں کو چارہ ڈالنے اور دودھ دوہنے اور دیگر ضروری کاروبار میں امداد دیوے۔

پرائمری کی تعلیم کسی زمیندار کے لڑکے کو آرام طلب نہیں بنا سکتی۔ درحالیکہ والدین کا اصلی مدعا یہ ہو۔ کہ صرف پرائمری تعلیم کے بعد ہم اپنے لڑکے سے زمینداری کا کام کرائینگے۔ اس عرصہ میں کاشتکاری اور فنِ زراعت کے متعلق تھوڑی بہت کتابی واقفیت ہونی چاہیئے۔

فصل دوسری۔ تجویز دوسری

زراعتی انجمنوں کا قیام

کاشتکاروں اور زمینداروں کی ترقی کیواسطے اِس امر کی ضرورت لابدی ہے۔ کہ ہر ایک صوبہ۔ کمشنری۔ ضلع اور ہر ایک تحصیل بلکہ تحصیل کے حصّوں میں زراعتی کمیٹی ہونی چاہیئے۔ اس میں فقط زراعت پیشہ طبقہ کے ارکان شامل ہوں۔ جو صرف زراعت کی ترقی کے متعلق تبادلہ خیالات کریں۔ اور ہر ایک زمیندار کو مشورہ دیں۔ کہ وُہ اپنی زمین میں کِس کِس جنس کی کاشت کرے۔ اور اسکے واسطے بیج کس قِسم کا ڈالے۔ ایسی کمیٹیوں سے بُہت فائدہ ہوگا۔ بلکہ اگر انکی بُنیاد پختہ طور پر قائم ہوجاوے۔ تو یہ زمینداروں کے معمولی آبپاشی۔ قلبہ رانی۔ بے دخلی۔ شفع وغیرہ کے مقدمات کو جنکے سبب زمیندار تباہ ہوگئے ہیں۔ پنچایت برادری کے طور پر فیصل کر سکتی ہیں۔ مگر ضروری یہ ہے۔ کہ اس میں ہر طبقہ

کے کاشتکار شامل ہوں۔ یہ نہیں کہ گاؤں کے نمبردار اور ذیلدار شامل ہوکر غریب کسانوں کی حق تلفی پر کمر باندہیں۔ اگر غور سے دیکھا جاوے۔ تو کسانوں اور زمینداروں کو مقدمہ بازی نے بھی بالکل خستہ حال کر دیا ہے۔ بہرحال زراعتی انجمن کا انعقاد بہت مفید ہے۔ اور اس کا ابتدائی مدعا صرف زراعت کی ترقی کے تجاویز پر غور کرنیکا ہے۔ ہاں جب اُس کا دائرہ وسیع ہوجاوے۔ اور واقعی طور پر ایسی کمیٹی کاشتکاروں کی قائم مقام ہو۔ تو پھر معمولی جھگڑے نہایت آسانی سے طے ہوسکتے ہیں۔ افسوس ہے کہ زمیندار مقدمہ بازی سے سخت تباہ ہوگئے ہیں۔ اور کوئی خبرگیراں نہیں۔

فصل تیسری۔ تجویز تیسری

مدارس کاشتکاری

جب تک وہی پرانے زمانے کے اوزار زیر استعمال رہینگے۔ اور نئی نئی تدبیروں پر عمل نہ کیا جاویگا۔ پیداوار

زرعی میں ترقی بہت مشکل ہے۔ چونکہ انسان کی زندگی عمدہ خوراک پر ہے۔ اور عمدہ خوراک کا انحصار عمدہ اصول کاشتکاری پر ہے۔ اور اصول کاشتکاری ہر معمولی زمیندار یا کاشتکار کی سمجھ میں نہیں آسکتے جب تک اس کو خاص تعلیم اس امر کی نہ دیجاوے۔ خصوصاً حال کے تعلیم یافتہ کاشتکار یورپ میں اپنے تجربوں سے عجیب وغریب معلومات کا ذخیرہ بہم پہنچا رہے ہیں۔ اور اُن کے تجربے کتب اور اخبارات ورسالوں میں شائع ہوتے ہیں۔ اسواسطے ضروری ہے کہ اُن معلومات سے فائدہ اُٹھانے کے لئے ان کتب کا مطالعہ کیا جاوے۔ اور یہ اُسی صورت میں ممکن ہوسکتا ہے۔ جبکہ ایسے مدارس کاشتکاری موجود ہوں۔ اگرچہ یہ بات اظہر من الشمس ہے۔ کہ تعلیمی واقفیت سے عملی واقفیت زیادہ مفید ہوگی۔ اور ایک انگریزی مقولہ کے مطابق "تجربہ سب سے بہتر اُستاد ہے"۔ ضروری ہے۔ کہ مدارس کاشتکاری میں ایک بڑا وسیع قطعہ اراضی مزروعہ کا ہو جس میں عملی طور پر تمام اجناس کے واسطے زمین تیار کرنے اور بونے کا طریقہ سکھایا جاوے۔ اور ہر ایک

طالب علم بطور کاشتکار وہاں نگرانی کرے۔

گورنمنٹ عالیہ نے پوسہ انسٹیٹیوشن قائم کرنے کے بعد ہر صوبے میں زراعتی کالج کی تجویز کی ہے۔ چنانچہ خوشی کی بات ہے۔ کہ لائل پور کالج پنجاب میں نہایت عمدہ موقع پر بنا ہے۔ جو تقریباً پنجاب و صوبہ سرحدی کے عین وسط میں ہے۔ مگر ابھی ابتدائی حالت ہے۔ کاشتکاروں کے لڑکوں کو وظائف دیکر پڑھایا جاوے۔ کیونکہ اخراجات زیادہ ہونے سے چند آدمی ہی فائدہ اُٹھا سکینگے۔

فصل چوتھی۔ تجویز چوتھی

نمائشی زراعت

جس طرح گھوڑیوں اور شتران کی نمائش جلسہ کے طور پر ہر سال ہوتی ہے۔ اور مالکوں کا دل بڑھانے کیواسطے انعامات دیئے جاتے ہیں۔ اگر اسی طرح ہر سال زراعتی نمائشیں قایم ہوویں۔ اور نمائش میں اشیا بھیجے جانے کیواسطے ہر قسم کی سہولتیں بہم پہونچائی جائیں۔

اور کاشتکارونکو انعام دیا جاوے۔ تو اعلے اجناس تیار کرنے کا خاصہ شوق پیدا ہوگا۔ کیونکہ جب نمائش کے موقعہ پر زراعت کے متعلّق انعام ملینگے۔ تو زمیندارونکو ایک دوسرے سے اچھی جنس تیار کرنیکا شوق پیدا ہوگا۔ اور اِس طرح سے وہ زمین کی تیاری کھاد کی درستی میں خاص سعی کرینگے۔

فصل پانچویں۔ تجویز پانچویں

عمدہ تخم کا ذخیرہ

موجودہ حالت میں زمیندار لوگ یہ بڑی غلطی کرتے ہیں۔ کہ فصل بونے کے وقت اُنکو جس قسم کا بیج ہاتھ لگتا ہے۔ اُسے بو دیتے ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے۔ کہ انکو بنئے مہاجنوں سے غلّہ ادھار لینا پڑتا ہے۔ جنکے پاس بہت سی ادنے اعلے اقسام کے غلّہ کا مجموعہ ہوتا ہے۔ چونکہ زمیندار کو اسکے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ کہ اُسی بنئے سے خواہ ناقص ہی کیوں نہ ہو۔ غلّہ لینا پڑتا ہے۔ اسواسطے نتیجہ یہ نکلتا ہے۔ کہ فصل بالکل ناقص ہوجاتی ہے۔ بعض دانے تو بالکل پیدا ہی نہیں ہوتے۔ اور بعض

چونکہ ادنیٰ درجہ کے ہوتے ہیں۔ اسواسطے انکی شکل کچھ ایسی ہوتی ہے۔ کہ ذرا بھی سردی گرمی کی برداشت نہیں کرتے۔ اس کے علاوہ بڑا نقص یہ ہوتا ہے۔ کہ بعض تو پہلے پک کر تیار ہوجاتے ہیں۔ اور بعض پھر دیر سے تیار ہوتے ہیں۔ جو پہلے پک کر تیار ہوتے ہیں۔ اُن کے خوشے زمین پر گر پڑتے ہیں۔ اور اس طرح سے پیداوار کا بڑا نقصان ہوجاتا ہے۔ اور قاعدہ کی بات ہے۔ کہ جیسا تخم ویسی پیداوار۔ چونکہ تخم ادنےٰ درجہ کا ہوتا ہے۔ اسواسطے پیداوار بھی ادنےٰ درجہ کی ہوتی ہے۔ اور باوجود محنت۔ تردد اور صبح شام کی جانکاہی کے کچھ بھی ثمرہ نہیں ملتا۔ اور جو ملتا ہے۔ وُہ محنت مشقت اور تکلیف کے مقابلہ میں بہت کم ہوتا ہے۔ اس طرح سے زمیندار ہر سال نئی مشکلات میں مبتلا اور نئے قرض کے نیچے دبتا چلا جاتا ہے۔ اور آخرکار اسی مصیبت میں اپنی جان گنوا دیتا ہے۔

اس موقعہ پر ایک تاریخی واقعہ لکھنے کے قابل ہے کہ اہرام مصری جو مصریوں کے مقابر کہن ہیں۔ جب تین ہزار سال کے بعد کھودے گئے۔ تو گیہوں کے دانے بالکل صحیح وسالم نکلے۔ اور لطف یہ ہے۔ کہ جب اُن کو مناسب احتیاط

سے بویا گیا۔ تو اُن میں قوتِ نمو بدستور موجود تھی۔

توراتؔ میں لکھا ہے۔ کہ بنی اسرائیل ایک سال کا تخم چھ سال تک تخم ریزی کے کام میں لا سکتے تھے۔ اور یہ بالکل صحیح ہوگا۔ کیونکہ جب تین ہزار سال تک دانوں میں نشوونما کی طاقت رہ سکتی ہے۔ تو پھر چھ سال میں اُس طاقت کا ہونا صاف ظاہر ہے۔

پس یہ بات نہایت مُفید ہوگی۔ کہ عمدہ تخم کا ذخیرہ مہیا کیا جاوے۔ جس سے ضرورت کے مطابق زمیندار تخم لے سکیں۔ پہلی فصلوں میں اِس امر کا ذکر کیا گیا ہے۔ کہ زراعتی بنک زمینداروں کے واسطے بہت مفید ہیں۔ انکے متعلق ایک ذخیرہ تخم کا موجود رہے تو بہت مفید ہوگا۔

اور اگر سرِدست ایسی زراعتی کمیٹیاں قائم نہ ہو سکیں۔ تو ہر ایک زمیندار آسانی سے ذخیرہ قائم کر سکتا ہے۔ یعنی جب اِس کا فصل تیار ہووے۔ تو اس میں ایک عمدہ حصّہ خوشوں کا علیحدہ کر لیوے۔ جس میں سے یا تو غلّہ نکال کر علیحدہ رکھ چھوڑے۔ یا بدستور خوشوں کو رہنے دیوے۔ اور تخم ریزی کے موقع پر دانے نکال کر بو دیوے۔ تو

اس کی پیداوار میں بڑی ترقی ہوسکتی ہے۔

فصل چھٹی۔ تجویز چھٹی

زمین کا انتخاب

یہ ضروری ہے۔ کہ زمیندار کا سب سے پہلا فرض یہ ہونا چاہئے کہ وُہ زمین کا انتخاب کرے۔ یعنی جو فصل کہ وُہ بونی چاہتا ہے۔ اُسکی ضروریات کا خیال کرے۔ اراضی منتخب کرے۔ اور اگر اُس کے پاس اراضی کی مقدار بہت تھوڑی ہے تو اُس کا لحاظ کرکے اس میں مناسب فصل کاشت کرے۔ کیونکہ یہ امر بدیہی ہے۔ کہ ہر ایک زمین ہر ایک جنس کے عمدہ پیدا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ ایک زمین ایسی ہوگی۔ جس میں رُوئی کی فصل عمدہ ہوسکتی ہے۔ مگر اس میں کماد عمدہ نہیں ہوسکتا۔ یا برخلاف اسکے کماد اچھا پیدا ہوسکتا ہے۔ مگر رُوئی عمدہ نہیں ہوگی۔ اگرچہ معمولی تجربوں سے تو زمینداروں کو معلوم ہے۔ کہ ہماری فلاں فلاں زمین میں فلاں جنس اچھی پیدا ہوسکتی ہے۔ مگر زمین کی

کیمیائی اجزاء سے وہ ایسے ناواقف نہیں ہیں۔ جیساکہ مہذب ممالک یورپ و امریکہ کے کاشتکار واقف ہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے۔ کہ ہندوستان کے کاشتکار بالکل ناواقف ہیں۔ اس رسالہ میں ہم زمین کی اقسام سے مفصل بیان نہ کرینگے۔ اتنا ظاہر کرنا ضروری ہے۔ کہ ہندوستان میں زمین کی جماعت بندی آسان کام نہیں ہے۔ صرف ایک ضلع میں زمین کی اس قدر مختلف اقسام اور مختلف نام ہیں جن کا لکھنا باعثِ طوالت ہے۔ مثلاً آبادی کے گرد کی اراضی کچھ اور قسم کی ہے۔ اور نہروں کے قریب اُسکی حالت کچھ اور ہے۔ اور اسی طرح دریاؤں کے کنارے بھی مختلف قسم کی زمینیں پائی جاتی ہیں

زمین کے اعظم اجزا چار ہیں۔

(۱) ریت۔

(۲) کلے۔

(۳) کاربونیٹ آف کیلسیم۔

(۴) ہیومس۔

انہی کے اجزاء سے زمین کے مختلف نام رکھے گئے ہیں۔

جس زمین میں ریت زیادہ ہو۔ اُسے ریتلی۔ علیٰ ہذا القیاس۔

لیکن ہمارے غیر تعلیم یافتہ زمیندار انگریزی اصطلاحوں اور انگریزی ناموں سے کیا خاک سمجھ سکتے ہیں۔ پنجاب میں بھی زمینوں کے نام مختلف ہیں۔

نہر جمن کی اراضی کے نام حسب ذیل ہیں۔

ڈابر۔ ڈہر۔ روہی۔ سوتر۔ رونسلی۔ شورِیلی۔

پہلی دو قسمیں۔ ڈابر۔ ڈہر۔ نہایت سخت زمینیں ہوتی ہیں۔ اِن میں پانی بہت دیر سے جذب ہوتا ہے۔ بلکہ عرصہ تک کھڑا رہتا ہے۔ یہ اراضی گیہوں۔ نیشکر کے واسطے مفید نہیں ہوسکتی۔ البتہ دھان کے واسطے بہت مفید ہے۔

نہر ہند کی اراضی کے نام حسب ذیل ہیں۔

سُرخ زمین۔ سیاہ زمین۔ ٹِبّہ کی زمین۔

آخر الذکر زمین میں پیداوار بہت کم ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر معمولی بارش میں کچھ کاشت کیا جاوے۔ تو آندھی سے بہت سی ریت اُڑکر روئیدگی پر آپڑتی ہے۔ اور وہ دب جاتی ہے۔ اور اگر زیادہ بارش ہوجانے سے ریت دب جاوے۔ تو کچھ فصل پیدا ہوجاتی ہے۔ مگر جب پھر زیادہ بارش ہو۔ تو جڑیں کھوکھلی ہوجاتی ہیں۔ اور روئیدگی ٹوٹ

جاتی ہے۔ زمیندار لوگ باڑ لگا دیتے ہیں۔ تو اس سے کچھ فائدہ ہوتا ہے۔ مگر وسیع رقبہ پہ باڑ لگانا یا جھر بیری کے پودے لگانا بہت مشکل ہے۔

نہر چناب میں زمین کی تقسیم حسب ذیل ہے۔

روکنسلی۔ میرا۔ نالی کی زمین۔ سرخ کپر۔

نہر باری دوآب میں

میرا۔ روہی۔ چھنب۔ کلر۔

اوپر کی سطور سے سارے بیان کی تصدیق ہو گئی ہوگی۔ کہ زمین کے کسقدر مختلف اقسام ہیں۔ ایک مصنف نے اپنی اقسام میں مجموعی طور پہ پنجاب کی زمینوں کے حسب ذیل نام رکھے ہیں۔

نیائیں۔ روہی۔ میرا۔ دوساہی۔ دیٹر۔ ڈاگر۔ چھپل لدھڑی۔ کلراٹھی۔ ریتیٹر۔ روڑ۔ ٹبہ۔

اور ہمارے خیال میں یہی جماعت بندی معقول معلوم ہوتی ہے۔ فہرست بالا میں۔ نیائیں (جو شہر اور بستی کے اردگرد کی زمین ہو) اعلےٰ شمار کی گئی ہے۔ کیونکہ اس میں فضلہ اور بول براز کثرت سے پڑتا رہتا ہے۔ اور کیمیائی ترکیبوں سے بہت نرم اور قابل زراعت ہو جاتی ہے۔

کھیرا۔ وہ زمین ہے۔ جس میں چکنی مٹی اور ریت کا جزو شامل ہو۔ یہ بھی اعلےٰ قسم کی زمین شمار کی گئی ہے۔

چھچل۔ جو دریا کے اچھال سے پیدا ہوتی ہے۔ عمدہ زمین ہے۔ کیونکہ اس میں قدرتی طور پر کافی اجزا شامل ہوتے ہیں

خلاصہ یہ ہے کہ زمیندار کو ضروری ہے۔ کہ وہ زمین کی اقسام سے بخوبی واقف ہو۔ اور اس امر کا تجربہ رکھتا ہو۔ کہ فلاں قسم کی زمین میں فلاں جنس بونی چاہئے۔

فصل ساتویں۔ تجویز ساتویں

انتخاب تخم

اس کے واسطے بھی خاص لیاقت درکار ہے۔ کیونکہ جس طرح اراضی مختلف اقسام کی ہے۔ اسی طرح بیج بھی مختلف اقسام کے ہوتے ہیں۔ اور پھر ہر ایک کے مدارج مقرر ہیں۔ ادنےٰ اوسط۔ اعلےٰ۔ تجویز تخم میں اس امر کی صراحت کیگئی ہے کہ عمدہ تخم کے ذخیرے کا انسداد ہوجاوے۔ تو بہت کچھ پیداوار کی ترقی ہوسکتی ہے۔ اس تجویز میں ہم صرف اتنا

اضافہ کرینگے۔ کہ انتخاب تخم اراضی کی حالت اور ہیئت کے مطابق ہونا چاہیئے۔ یعنی زمین کی جو کیمیاوی ترکیب ہے۔ اُسی کا لحاظ کرکے بیج انتخاب کرنا چاہیئے۔ تاکہ پیداوار اعلےٰ درجہ کی ہو۔ اور ضروری ہے۔ کہ جو جنس بونے کے واسطے انتخاب کی جاوے۔ وُہ اعلےٰ قسم کی تلاش کی جاوے۔

بیج کے عمدہ ہونے کے متعلق زیادہ تشریح و توضیح کی کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ جو کاشتکار بھی نہ ہوں۔ وُہ بھی اس امر کو جانتے ہیں۔ اور بتا سکتے ہیں۔ کہ جس قدر تخم اعلےٰ ہوگا۔ پیداوار اتنی ہی اعلیٰ ہوگی۔

مثال کے طور پر ہم فقط خربوزے کو لیتے ہیں۔ کون زمیندار ہے۔ جو دل سے نہیں چاہتا۔ کہ خربوزے میرے کھیت کے نہایت شیریں نہ ہوں۔ تاکہ میرے اہل وعیال بھی شوق سے کھائیں۔ اور بازار میں بھی اُنکے دام خاصے وصول ہوں۔ مگر افسوس ہے۔ کہ زمیندار لوگ اس کے واسطے کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ اور جیسا ناقص پھیکا بیج اُن کو میسر ہوتا ہے۔ وُہ بو دیتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ خربوزے بالکل ناقص ہوتے ہیں۔ اور وہ صرف جانوروں کے

کھانے کے کام آتے ہیں - اگر پشاور - کوئٹہ - لکھنؤ وغیرہ سے جہاں کے خربوزے نہایت شیریں ہیں - منگا کر بوئے جاویں - تو محنت رائگان نہ جائے - بلکہ ایک دفعہ کے تجربہ سے ایسا شوق ہو - کہ پھر ہمیشہ یہی شوق ساتھ رہے

دوسری مثال آم کی لیجئے - ناقص آم بعض مقامات پر عہ فی من پختہ جو اصطلاح میں ۵۰ سیر کا ہوتا ہے - فروخت ہوتے ہیں - مگر اعلیٰ درجہ کے آم ۲ سیر فی روپیہ بلکہ اس سے بھی گراں قیمت فروخت ہوتے ہیں - کہاں عہ فی من اور ۲۵ روپے فی من - اور لطف یہ ہے - کہ درخت لگانے کی محنت اور مزدوری ایک جیسی پڑتی ہے - ہمارے زمیندار غلطی سے جیسا پودا اونکو ملتا ہے - لے کر اسکی پرداخت شروع کرتے ہیں - اگر سہارنپور یا بمبئی مالوہ کا آم منگا کر کاشت کریں - تو ہزاروں روپے کا منافع حاصل ہو -

اوپر کی دو مثالوں سے بخوبی توضیح ہو سکتی ہے - کہ اعلیٰ تخم کی تلاش کے واسطے جس قدر سعی ہو سکے - کی جاوے - کیونکہ اسی پر سب کا انحصار ہے - تخم اچھا تو فصل بھی اچھی ہوگی - اگر تخم ناقص ہوگا - تو فصل

بھی ناقص ہوگی۔ پس ضروری ہے۔ کہ ہر جنس کے بونیکے واسطے اعلےٰ تخم منگا کر کاشت کیا جاوے۔

فصل آٹھویں۔ تجویز آٹھویں

زمین کی تیّاری

اِس سے یہ مطلب ہے۔ کہ جو جنس کاشت کرنی ہو۔ اُس کی ضروریات کے مطابق زمین کی تیاری کیجاوے۔ پہلے تو ضروری ہے۔ کہ قلبہ رانی اچھی طرح پر کیجاوے۔ یعنی باریک ڈھیلے کئے جاویں۔ اور زمین ہموار کیجاوے۔ جسقدر ہل زیادہ چلائے جاوینگے۔ اُسیقدر زمین میں طاقت آئیگی۔ ایک ضرب المثل ہے ؎

سٹھیں سیویں گاجراں سو سیویں کماند
باراں سیواں باہ کے ویکھہ کنک دا جھاڑ
جیوں جیوں باہے کنک نوں تیوں تیوں دے سواد

خُلاصہ یہ ہے۔ کہ گاجروں کو ۶۰ دفعہ ہل چلا کر بونا چاہیے۔ اور ایکھہ یعنی کماد کے لئے سَو دفعہ ہل چلانا چاہیے۔ گیہوں کیواسطے بارہ دفعہ ہل چلانا چاہیے۔ تو پھر دیکھیے۔ کہ فصل

کیا عمدہ پیدا ہوتی ہے۔

اور یہ بات سب جانتے ہیں۔ کہ گیہوں میں جسقدر لیس زیادہ ہوگا۔ اُسی قدر وُہ اعلےٰ تصور کیجائیگی۔ اور لیس کا ہونا زیادہ ہل چلانے اور زمین تیار کرنے پر موقوف ہے۔

ہمارا دیسی ہل زمین کو اچھی طرح پولا نہیں کرتا۔ انگریزی لوہے کا ہل زیادہ مفید ہے۔ مگر ہمارے دیسی زمیندار اُسی اپنے ہل سے ہی اچھے طور پر زمین کی قلبہ رانی کریں۔ تو نہایت مفید نتائج پیدا ہونگے۔ چاہی۔ چاہی نہری بیٹ۔ رود کوہی۔ بارانی زمین ہر ایک کے تیار کرنے کے واسطے علیحدہ علیحدہ صورتیں ہیں۔

بیٹ کی زمین کو جو دریا کے اُچھال سے پیدا ہوتی ہے زیادہ ہل چلانے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ وُہ زمین بہت نرم ہوتی ہے۔ اگر زیادہ ہل چلائے جاویں۔ تو اُسکی نمی زائل ہو جاتی ہے۔ اور پھر بجائے فائدہ کے نقصان ہوتا ہے۔

ہل چلانے میں مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھنا چاہیے۔

(۱) ہل ہمیشہ سیدھے چلائے جاویں۔ کیونکہ سیدھے ہی چلائے جانے سے گھاس پھوس اچھی طرح نکلتی چلی جاتی ہے

اور بیچ میں خالی زمین نہیں رہتی۔ اگر ہل سیدھے نہ چلائے جاویں۔ تو ایک تو بیلوں کو تکلیف ہوتی ہے دوسرے زمین میں گھاس وغیرہ قائم رہتی ہے اور ہل چلانے کا جو اصلی مُدعا تھا۔ وُہ پُورا نہیں ہوتا۔

(۲) ہتھی پر یکساں دباؤ رکھنا چاہیئے۔ ورنہ دوسری صورت میں کسی جگہ زمین پولی اور کسی جگہ ویسی ہی رہجائیگی۔ علاوہ اِس کے بیلوں کو بہت سخت تکلیف ہوگی۔کیونکہ کبھی تو ہل گہری زمین میں ہوتا ہے۔ اور کبھی ذرا اوپر اسواسطے بیلوں کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔

(۳) ہل ایک خاص طریقے سے چلانے چاہیئیں۔جیساکہ پنجاب میں دوطرح سے زمین میں ہل چلائے جاتے ہیں۔ ایک ہلائی سے دوسرے گھیرے سے۔

ہلائی سے یہ مطلب ہے۔ کہ پندرہ بیس فٹ کا ایک ٹکڑہ لیا۔ اور اُس میں ہل چلانا شروع کیا۔جبوقت قریبًا نصف اُس میں سے ہل چکا۔ تو اُسی قدر دوسرا حلقہ دے دیا۔ اور اِسی طرح ہل چلاتے چلے گئے۔

زمین کے باہنے کا یہ بہت اچھا طریق ہے۔جب ایک

دفعہ شرقاً غرباً ہل چلایا۔ تو پھر شمال جنوب کیطرف چلانا چاہئے۔ اس سے جو پاڑہ یعنی بلا ہل چلی ہوئی زمین رہجاتی ہے۔ تو دوسری دفعہ ٹھیک ہو جاتی ہے۔

دوسری صورت گھیرے کی ہے۔

یعنی ایک قطعہ کے چاروں طرف ہل چلایا جاتا ہے۔ پہلے باہر کیطرف سے شروع کرتے ہیں۔ اور پھر ساتھ ساتھ اندر کیطرف بڑھتے چلے آتے ہیں۔ جب تمام زمین اسی طرح جوتی جاتی ہے۔ تو کونوں میں بالمقابل ہل چلانا شروع کرتے ہیں۔ تاکہ پہلی دفعہ جو موڑ کے مقام ہیں۔ وہاں اگر گھاس باقی ہو۔ تو وہ بھی اُکھڑ جائے۔ اور جب بیج اُگتا ہے۔ تو یہ مقابل کی آڑیں بہت خوبصورت معلوم ہوتی ہیں۔ جیسا کہ مستطیل شکل کے وتر کھینچے گئے ہوں۔

خلاصہ یہ ہے۔ کہ خواہ کوئی طریقہ اختیار کیا جاوے لیکن یہ امر ہمیشہ مدنظر رہے۔ کہ زمین کا کوئی ٹکڑہ بلا ہل چلانے کے نہ رہے۔ اس سے یہ امر بخوبی ذہن نشین ہو سکتا ہے۔ کہ اگر گھاس کی جڑیں زمین میں بدستور رہیں۔ تو پھر آبپاشی کے وقت گھاس اس قدر پھیل جائیگی۔ کہ پودوں کو نشوونما

پانا دُشوار ہوجائیگا۔

انگریزی ہل کے واسطے بیل طاقتور درکار ہوتے ہیں۔ اور اس طرحسے زمیندار کو روپیہ بہت خرچ کرنا پڑتا ہے۔ مگر مقابلتہً فائدہ بہت حاصل ہوتا ہے۔

اَب یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ ہل چلانے کا وقت عمدہ کونسا ہے۔ سو اس کے واسطے ضروری ہے کہ ربیع کی کاشت کیواسطے پوس اور ماگھ میں ہل چلائے جاویں۔ تو بہت مفید ہے۔ جیسا کہ کہاوت ہے۔

سیال سونا۔ ہاڑ روپا۔ بہادوں گیہوں پکجا

یعنی موسم سرما میں ہل چلانا۔ سونے کے برابر ہے۔

اَور جیٹھ ہاڑ میں با ہے۔ تو چاندی۔

اور اگر ساون۔ بہادوں میں چونکہ بونے کا وقت قریب آجاتا ہے۔

اسواسطے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ امر تجربہ سے ثابت ہوچکا ہے۔ کہ جسقدر پہلے اراضی کو ہل چلائے جاویں۔ اُسی قدر زیادہ فائدہ کی اُمید رکھنی چاہیے۔

ہل سے دوسرے درجہ پر سہاگہ ہے۔ مگر اُس سے جسقدر

فوائد ہیں۔ وہ ہل سے نہیں ہیں۔ اسی واسطے زمینداروں میں یہ کہاوت ہے۔

سو سیویں نہ اِک سُہاگہ

یعنی سو دفعہ ہل چلانے سے اسقدر فائدہ نہیں ہوتا۔ جسقدر ایک دفعہ سُہاگا پھیرنے سے نفع حاصل ہوتا ہے۔

پنجاب میں سُہاگا دو قسم کا مستعمل ہے۔ ایک وُہ جو گول ہوتا ہے۔ دوسرا چپٹا۔ گول سُہاگا بہت اچھا ہے۔ کیونکہ اِس سے ڈھیلے خوب ٹوٹتے ہیں۔ اور زمین خوب ہموار ہوتی ہے۔

چپٹا سُہاگا ایسا زیادہ مفید نہیں ہے۔ کیونکہ ایک تو بیلوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

دُوسرے اُس سے زمین پورے طور پر ہموار نہیں ہوتی ہاں اگر زمین بہت نرم ہو۔ تو چنداں حرج نہیں ہے۔

سُہاگے کے فوائد کثیر ہیں۔ منجملہ اِن کے چند یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) زمین کے ڈھیلے ٹوٹ جاتے ہیں۔ اور زمین خوب ہموار ہوجاتی ہے۔

(۲) زمین کی نمی عرصہ تک قایم رہتی ہے۔ خصوصاً ربیع بونے کیواسطے سُہاگا بہت مفید ثابت ہوا ہے۔ کیونکہ زمین کو تیار کرنے کے بعد کچھ عرصہ تک تخم ریزی کے واسطے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ بعدہ اِس میں وقتِ کاشت ربیع کے جو بونا ہوتا ہے بو دیا جاتا ہے۔

(۳) اگر تخم بوکر سُہاگا چلایا جاوے تو کیڑی مکوڑے بیج کا نقصان نہیں کرتے۔ بلکہ بیج پھٹ کر پودا نکل آتا ہے۔

(۴) زمین پر گرمی سردی کا اثر نہیں ہوتا۔ اگر ہوتا ہے تو بہت کم۔

غرضیکہ سُہاگے کے فواید بہت ہیں۔ اور عام زمیندار بھی اس سے واقف ہیں۔

زمین کی تیاری میں صرف ہل چلانا اور سہاگا پھیرنا ہی داخل نہیں ہے۔ بلکہ کھاد کا ڈالنا اور اُس سے فائدہ اُٹھانا بھی زمین کی تیاری میں داخل ہے۔ کھاد کے متعلق ہم انشاءاللہ ایک علحدہ رسالہ لکھینگے۔ یہاں اتنا اظہار ضروری سمجھتے ہیں۔ کہ جس طرح بیمار کیواسطے دوائی

ضروری ہے۔ زمین کے واسطے کھاد کی اشد ضرورت ہے
اور اس کے متعلق جسقدر کتابیں لکھی جاویں۔ بہت فائدہ ہوگا
بڑے بڑے شہروں کے قریب مالی اور باغبان تھوڑی
زمین میں بہت سی کہاد ڈال کر ایک سال میں سبزیوں
کے کئی فصل تیار کرکے خوب روپیہ کماتے ہیں۔ اگر شہروں
کے زمیندار ذرا سی توجّہ کریں تو صرف ایک دو بیگہ زمین
میں سبزی کی اتنی پیداوار ہوسکتی ہے۔ کہ سالبھر کی سبزی
اور مالیہ سرکار ادا ہوسکتا ہے۔ مگر افسوس ہے۔ کہ کاشتکار
کھیل تماشہ کے کام میں تو بخوبی دلچسپی لیتے ہیں۔ مگر اپنے
کنوئیں پر سبزی بونے اور اُسکی رکھوالی کرنے کا کام نہیں
کرتے۔ اکثروں کا یہ عذر ہوتا ہے۔ کہ سبزی بیچنا ہندوؤں کا
کام ہے۔ اگر وُہ سبزی بوکر کسی کنجڑے سے ۲/۱ دینے کا
اقرار کرلیں۔ تو نلائی اور نگرانی بلکہ کوڑا کھات کی بھی
اُن کو تلاش کرنے کی ضرورت نہ رہیگی۔

چنانچہ بعض زمیندار ایسا کرتے ہیں۔ اور کنجڑا بھی خوب
فائدہ اُٹھاتا ہے۔ اور زمیندار کو بھی مُفت روپیہ بلامشقت
و نگرانی مِل جاتا ہے۔ صرف وہ اتنا کرتا ہے۔ کہ سبزی

کاشت کر دیتا ہے۔ اور ہر چھٹے آٹھویں دن جیسا کہ ضرورت ہو۔ پانی دینے کے لئے کنوآں چلاتا ہے۔ باقی سب کام کُنجڑا کرتا ہے۔

کھاد کی قدر اہل ولایت کو ہے۔ بلکہ اب وُہ اسی فکر میں ہیں۔ کہ چونکہ ہر قسم کی اجناس کے واسطے نائٹروجن ایک ضروری جزو ہے۔ اور اُس کی معمولی ہوا میں بڑی مقدار شامل ہے۔ کوئی ایسی تجویز کیجاوے۔ کہ کرہ ہوا کی نائٹروجن علیحدہ کر کے کھیتی کے کام میں خرچ کیجاوے۔ اگر اہل ولائت کی یہ کوشش پوری ہوگئی۔ تو بڑے نفع کی بات ہوگی۔

کھاد کا موٹا اصول ہر ایک زمیندار کو سمجھ لینا چاہیئے کہ ہر جنس کے واسطے مختلف قسم کی کھاد مفید ہُوا کرتی ہے۔ اور یہ موٹا نکتہ جاننا ضروری ہے۔ کہ جو جانور جُگالی کرتے ہیں۔ اُن کا فضلہ سرد ہوتا ہے۔ اور جو جانور جُگالی نہیں کرتے۔ مثلاً گھوڑا۔ خچر۔ ہاتھی اِن کا فضلہ یعنی لید گرم ہوتی ہے۔ جس زمین میں پانی دیر تک کھڑا رہے۔ وُہ زمین بہت سخت ہوتی ہے۔ بعض کھادیں اسی قسم کی ہیں۔

کہ سخت ڈھیلے والی زمین کو بالکل سرمہ بنا سکتی ہیں جس زمین میں دراڑیں پڑجاتی ہوں۔ وُہ زمین بھی درست ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ کافی کھاد دیجاوے۔

فصل نانویں۔ تجویز نانویں

طریقہ کاشت۔ آلات کشاورزی

ہندوستان میں مختلف جنسوں کے بونے کے واسطے جو طریقہ کاشت ہے۔ وُہ اگرچہ ضروریات کے مطابق ہے مگر اُس میں تھوڑی بہت اصلاح کی گنجائش ہے۔ کسی خاص جنس کے واسطے ایک طریقہ کاشت تجویز کرنا مشکلات سے خالی نہیں۔ کیونکہ یہ امر زیادہ تر زمین کی حالت اور خصوصاً نمی کی کمی بیشی پر موقوف ہے۔ وسایل آبپاشی کا بھی اس میں لحاظ ضروری ہے۔ البتہ ضروری چیز جسکی طرف کاشتکارانِ ہند کی توجہ دلانی بہت لازمی ہے۔ وُہ آلات کشاورزی ہیں۔ ولایت میں نت نئی ایجادیں ہو رہی ہیں۔ اسواسطے اُن سے فائدہ اُٹھانا چاہیئے۔ بعض

جنسیں جب کاشت کی جاتی ہیں۔ تو قحط سالی کے دنوں میں بہت کم پہوٹتی ہیں۔ اور بعض دفعہ دیمک سے بہت نقصان ہوتا ہے۔ ذیل میں چند ہدایات صرف دیمک کے رفع کرنے کی مجمل طور پر لکھی جاتی ہیں۔ انشاءاللہ

جب ہر ایک جنس کی کاشت کا طریقہ لکھا جائیگا۔ تو اُس وقت ہر ایک جنس کی بیماریوں کی تشریح کرکے اُن کا علاج حوالہ قلم کیا جائے گا۔

جاننا چاہیئے۔ کہ دیمک زیادہ تر پانی کی کمی سے پیدا ہو جاتی ہے۔ اسواسطے پہلا علاج تو یہی ہے۔ کہ نمی پہنچانے کا انسداد کیا جاوے۔ یعنی آبپاشی کھیتوں میں فوراً ہوجاوے تو دیمک رفع ہوسکتی ہے۔

دوسرا علاج یہ ہے۔ کہ گوبر کے چند ڈہیر تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر رکھ دئے جاویں۔ جسقدر دیمک ہوگی وُہ گوبر میں آجائیگی۔ پھر نہایت احتیاط سے جُملہ گوبر اُٹھواکر کھیت سے دُور پھینک دینی چاہیئے۔ یہ دیمک رفع کرنے کا سہل علاج ہے۔

تیسرا علاج اگرچہ وقت طلب ہے مگر فائدہ سے خالی

نہیں۔ وُہ یہ ہے۔ کہ مُردہ کُتا مٹی میں گاڑنا چاہیے۔ اُس کی بُو سے دیمک مَر جائیگی۔

چوتھا علاج یہ ہے۔ کہ لکڑی کی راکھ اگر کھیت میں ڈالی جاوے۔ تو کیڑے مکوڑے بھاگ جائینگے۔ اور دِیمک بھی رفع ہو سکتی ہے۔

اگر درختوں کو دِیمک لگ جاوے۔ تو مٹی کے تیل اور دہی کو خوب طور پر ملایا جاوے۔ جب دونو چیزیں ملکر ایک ہو جاویں۔ تو پانی ملا کر درختوں کی تھالوں میں ڈال دیویں۔ اس سے اکثر درخت عموماً اور آم کے درخت کو خصوصاً دیمک کا ضرر نہیں ہوتا۔

صاف ظاہر ہے۔ کہ دہی اور مٹی کے تیل پر خرچ ضرور ہوتا ہے۔ اسواسطے پھلدار درختوں کا ہی اس سے علاج ہو سکتا ہے۔ عام درختوں کے واسطے یہ عمل اچھا تو ہے۔ مگر خرچ زیادہ ہوتا ہے۔

رُوئی کی کاشت میں اس بات کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ کیڑوں سے کھائے ہوئے بنولے سرسبز نہیں ہونگے ان کی پہچان یہ ہے۔ کہ وُہ ہلکے ہوتے ہیں۔ اور جب گوبر

چکنی مٹی سے بھگو کر کاشت کیواسطے تیار کئے جاتے ہیں۔
تو پانی کی بالٹی میں ڈال دینے چاہئیں۔ جو عمدہ بیج ہوگا۔
وُہ نیچے تہ میں بیٹھ جائیگا۔ ناقص اور ہلکا بیج اوپر تیرتا رہیگا۔
اُسے علیحدہ کر دینا چاہیئے۔ اور مویشیوں کو کھلانا چاہیئے۔ یہ
تجربہ معمولی آدمیوں کا نہیں ہے۔ بلکہ محکمہ زراعت کا خاص
سرکلر اس بات میں شائع ہو چکا ہے۔ مگر کاشتکار ذرا
پرواہ نہیں کرتے۔ وُہ کہتے ہیں۔ کہ ۶۰ فیصدی بیج بھی پیدا
ہو جاوے۔ تو غنیمت ہے۔ یہ نہایت ہی سہل طریقہ ہے۔
زمینداروں کو چاہیئے۔ کہ اسی تجربہ سے فائدہ اُٹھائیں۔

مسٹر مکرجی مرحوم متوطن بنگال نے اپنی انگریزی کتاب
میں ہندوستان کے مختلف اضلاع کے ہلوں کی تفصیل لکھی
ہے۔ اور اس کے علاوہ ولایت کے بہت سے ہلوں کی
تفصیل درج کی ہے۔ انکی رائے کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

"ضلع رنگ پور۔ چلپی گوری کے ہل زمین کو صرف
دو انچہ گہرا کھودتے ہیں۔

بندھیل کھنڈ کا ہل ۳ $\frac{1}{2}$ من وزنی ہے۔ اور وُہ زمین کو
۹ انچہ سے لیکر ایک فٹ کی گہرائی تک کھود سکتا ہے۔

اِس ہل پر تین جوڑی بیل اور نو آدمی درکار ہوتے ہیں۔ اور کاشتکار بیلوں کو ایک دوسرے کے پیچھے نہایت عمدہ طور پر جوتتے ہیں۔

صوبہ بہار کے ہل بمقابلہ صوبہ بنگال زیادہ بھاری اور زیادہ تکلیف دِہ ہیں۔ اور وہ صرف زمین کو پانچ انچہ گہرا کھود سکتے ہیں۔ سہارنپور۔ مظفرنگر۔ میرٹھ کے اضلاع میں ہل کے سرے پر لوہے کا ایک پھل گھوڑے کے نعل کی مانند ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے۔ کہ اگرچہ ہندوستان کے مختلف قطعات میں مختلف اقسام کے ہل ہوتے ہیں۔ مگر وہ سب نقائص سے آلودہ ہیں۔ اور حسب ذیل نقائص عموماً سب میں ہیں۔

(۱) دیسی ہل زمین کو گہرا نہیں کھود سکتا۔ معمولی گہرائی فصل کے واسطے چنداں مفید نہیں۔

(۲) زیادہ سے زیادہ وہ ایک بیگہ یا دو بیگہ زمین جوت سکتے ہیں

(۳) کام کے لحاظ سے وُہ بھاری ہوتے ہیں۔ اسواسطے پسندیدہ نہیں ہیں۔

لیکن امریکن اور انگریزی ہل زیادہ گہرائی سے زمین کو

کھودتے ہیں۔ اور ساتھ ہی اُن کے اوپر ایک لکڑی کا ٹکڑا لگا ہوتا ہے۔ جو زمین کو سیدھا بھی کرتا چلا جاتا ہے۔ لیکن وہ بھی اُس مُلک کے واسطے مفید نہیں ہیں۔ سودیشی ہل جو پوسہ انسٹیٹیوٹ اور دیگر ایگریکلچرل کالجوں میں زیر استعمال ہیں۔ ہماری رائے میں بہت مفید ہیں۔ کیونکہ امریکن ہل اور ولایتی بہت بھاری ہیں۔ اِنکے علاوہ پانی دینے اور تالابوں سے پانی اُٹھانے کے اور بہت سے آلات ہیں اور بعض مختصر کم خرچ بالانشین پانی کے پمپ تیار ہوئے ہیں۔ جو ہر ایک علاقہ کے ضروریات کا لحاظ رکھہ کر مفید یا غیر مفید متصوّر ہو سکتے ہیں۔

طریقہ کاشت کے متعلق زمین کی حالت کا دیکھنا زیادہ ضروری ہے۔ کیونکہ کسی جگہ کی زمین بہت سخت ہوتی ہے۔ اور کسی جگہ کی زمین نسبتاً نرم ہوتی ہے۔ اِس واسطے زمین کی کیفیت پر طریقہ کا انحصار ہے۔ ہاں درختوں اور ترکاریوں کے متعلق علیحدہ کتاب میں قلم فرسائی کی جائیگی۔

فصل دسویں۔ تجویز دسویں

اصول آبپاشی

زراعت کی ترقی کیواسطے اصول آبپاشی کی واقفیت نہایت ضروری ہے۔ عام زمینداروں کا یہ خیال ہے۔ کہ چاہی نہری چاہی نہری۔ سیلابہ بارانی زمین میں خاص آبپاشی کے اصول کام میں آسکتے ہیں۔ اور ہے بھی واقعی ٹھیک۔ نہر کا پانی جملہ اجناس کے واسطے مفید نہیں پایا گیا۔ اور اسی طرح چاہ کا پانی بھی چاول وغیرہ کی پیداوار کو اتنا فائدہ نہیں دیتا۔ جتنا کہ نہر کے پانی سے فائدہ ہوتا ہے۔ اسی طرح بارش کا پانی سب پانیوں سے اعلیٰ تصوّر کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہہ قدرتی ہے۔ اور ذرہ آب میں ہوا کے کرہ سے گذرتے ہوئے۔ ایک خاص طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔ جس سے زراعت کو خواہ وہ کسی قسم کی ہو۔ پورا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

زمینداروں کا یہ بھی خیال ہے۔ کہ نہر کی آبپاشی سے کھیتوں میں ریت پڑجاتی ہے۔ اور زمین کی طاقت بالکل کم ہوجاتی ہے۔ اوّل الذّکرخیال غلط فہمی پر مبنی ہے۔ اِس میں کچھ شبہ نہیں۔ اگر نہر کی کھُدائی اصول کے مطابق نہیں۔ اور راجباہوں اور بیراگوں کا موقعہ انجنیرنگ کے اصول کے مطابق نہیں۔ تو واقعی ریت پڑنے کا خوف ہوسکتا ہے۔ سو اسکے واسطے بہتر تجویز یہ ہے۔ کہ نہر۔ راجباہ۔ کسّی وغیرہ خلاف قواعد اور خلاف اصول نہ ہو۔

دوسرا گمان کہ نہر کی آبپاشی سے زمین کی طاقت کم ہوجاتی ہے۔ بالکل غلط ہے۔ زمین کی طاقت ہمیشہ ہرایک جنس کے بونے سے کم ہوتی رہتی ہے۔ مگر مصنوعی اور قدرتی طور پر جب اِس میں کھاد پڑتی ہے۔ تو وُہ طاقت بحال ہوجاتی ہے۔ جیسا کہ کنوئیں کا پانی دِن بھر جاری رہنے سے کم ہوجاتا ہے۔ مگر جب رات کے وقت کنوآں بند ہوتا ہے تو سوتوں سے اِسقدر پانی آجاتا ہے۔ کہ وُہ فوراً بھرجاتا ہے۔ یہی حال زمین کا ہے۔

زمینداروں میں یہ گمان کچھ اس وجہ سے بھی پیدا ہوا ہے

کہ جب کسی زمین میں نئی نئی نہر جاری ہوتی ہے۔ اور پانی افراط سے دیا جاتا ہے۔ تو فصل خوب پھلتی ہے۔ چونکہ ایسی اراضی جہاں عرصۂ دراز سے سوائے قلیل مقدار کی بارش کے کبھی پانی کا مُنہ نہ دیکھا گیا تھا۔ یکبارہ پانی ملنے سے نہال ہو جاتی ہے۔ اور آفتاب کی حرارت ہوا کی تاثیر سے جو طاقت ابتدائی اس میں موجود تھی۔ فوراً اُس کا اظہار ہو کر اعلیٰ درجہ کی جنس تیار ہو جاتی ہے۔ مگر جب چند سال اسی صورت میں گذر جاتے ہیں۔ تو آہستہ آہستہ پیداوار کم ہونے لگتی ہے۔ لیکن اس میں آبپاشی کا کوئی قصور نہیں۔

سیدپور کی زراعتی فارم میں جو تجربے کئے گئے۔ اُن سے روشن ہوا ہے۔ کہ نہر کا پانی۔ آلو۔ گوبھی کی جنس کو بہت مفید ثابت ہوا۔ لیکن برخلاف اس کے مٹر لوبیا کو اُسی سے سخت نقصان پہنچا۔ خصوصاً جبکہ موسم سرما میں انکو نہر کا پانی دیا جاوے۔ تو نقصان پہنچنے کا زیادہ خدشہ ہے۔ لیکن مئی جون کے مہینے میں نہر کا پانی ہر ایک جنس کو مفید ہے۔ ہاں اگر موسم بہت خشک ہو۔ تو دسمبر سے لے کر اپریل تک ہر قسم کے بیجوں اور

چھوٹی چھوٹی جنسوں اور دالوں کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اور بارش کا پانی ہمیشہ مفید ثابت ہوا ہے۔

اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ وہ کیا وجوہات ہیں۔ جن سے یہ امر پیدا ہوا۔

یہ امر ظاہر ہے۔ کہ جب برسات کا موسم شروع ہوتا ہے۔ تو ابتدائی بارشوں میں گردو نواح کا پانی کچھ کھچا کر چلا آتا ہے۔ اور اس کے ساتھ کئی گھلنے والے اور کئی دردرے مادّے ملجاتے ہیں۔ جو کم و بیش کھیتی کے واسطے کھاد کا کام دیتے ہیں۔ لیکن جوں جوں بارشیں ہوتی رہتی ہیں۔ تو بارش کا پانی نائٹریٹ۔ امونیا۔ کیمیائی مٹی سے خالی ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ موسم کے خاتمہ پر جو برسات ہوتی ہے۔ وہ چنداں مفید نہیں ہے اور کیمسٹری جاننے والوں نے اندازہ لگایا ہے۔ کہ ۱۰۰ مکعب انچ میں ۲ یا ۳ مکعب انچ معمولی ہوا ہوتی ہے۔ اور باقی کا اندازہ ذیل سے معلوم ہوگا۔

۱۰۰ حصہ آب میں معمولی درجہ حرارت پر ۱½ حصہ نائیٹروجن اور ۳ حصہ آکسیجن۔ ۱۰۰ حصہ کاربانک۔ ۸۰۰ حصہ امونیا۔

یہ نکتہ یاد رہے کہ جس برسات کے پانی میں اموئنیا اور کاربانک زیادہ مقدار میں ہو۔ وُہ زراعت کے واسطے بہت مفید ہیں۔ اور یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچگئی۔ کہ ابتدائی بارش بہت مفید ہوتی ہے۔ اور بہ نسبت چاہ یا نہر تالاب کے پانی کہ جس میں اموئنیا اور کاربانک کافی مقدار میں نہیں ہوتے۔ یہ برسات کا پانی زیادہ مناسب ہے۔ لیکن چند خاص لحاظ سے نہر کا پانی اور کنوئیں کا پانی مفید ہے۔ وُہ بارش کا پانی نہیں ہوسکتا۔

خلاصہ تقریر کا یہ ہے۔ کہ آبپاشی کے متعلق زیادہ اس بات کا خیال رکھا جاوے۔ کہ پانی وقت مناسب پر دیا جاوے۔ اور اسکی مقدار نہ تو کم ہو۔ کہ فائدہ ہی نہ دیوے۔ اور نہ اسقدر زیادہ ہو۔ کہ وہ نقصان کردیوے جیساکہ دیکھا جاتا ہے۔ کہ باجرا اور روئی کو اگر زیادہ پانی دیا جاوے۔ تو وہ خراب ہوجاتی ہیں۔ ہاں وہاں ایک ایسی جنس ہے۔ کہ اُس کو پانی کی زیادہ ضرورت ہے کماد کو پانی کی خاص مقدار درکار ہے۔ مگر زیادہ پانی دینے سے یا وقت پر پانی نہ ملنے سے یکساں نقصان ہے

آبپاشی کے واسطے جو نئے اوزار ایجاد ہوئے ہیں۔ اُن سے فائدہ اُٹھانا چاہیئے۔ خصوصاً ایک ذرا سی کوشش سے اگر بیلوں پر بوجھ ½ حصہ بھی کم ہو سکے تو اُس کا کِسقدر مفاد ہوگا۔

فصل گیارھویں۔ تجویز گیارھویں
مویشیوں کی ترقی

آبپاشی کا ذکر کرتے ہوئے۔ خواہ مخواہ بیلوں کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ پنجاب و ہندوستان میں بیلوں سے ہی ہل چلانے اور آبپاشی کے واسطے چاہ جھلار میں اِنہی سے کام لیا جاتا ہے۔ مگر افسوس ہے۔ کہ جس طرح زمیندار کا حال پتلا ہے۔ بیلوں کا بھی حال خراب ہے۔ قیمت روزمرہ زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ اور بیل اعلیٰ قسم کے مل نہیں سکتے۔ زمینداروں کو شوق بھی ہوتا ہے۔ کہ ہم عمدہ بیل خرید کریں۔ مگر بیل عمدہ ملتے نہیں۔ اور جو ملتے ہیں۔ اُن کی قیمت اسقدر گراں

ہوتی ہے۔ کہ معمولی کاشتکار ان کو خرید نہیں سکتے۔

ہم کو ایک مثال یاد ہے۔ کہ ایک مجسٹریٹ نے جسے اپنی زمینداری کے کام میں خاص شوق تھا۔ ایک بیل ۳۵۰ روپے کو خرید کیا۔ اُسکے کارندے ضلع ضلع میں چکر لگاتے تھے۔ کہ اسکے جوڑ کا دوسرا بیل مل سکے۔ مگر نہ مل سکا۔ ناچار ایک کم درجہ کا بیل خرید کیا گیا۔ زمیندار لوگ جس طرح گھوڑے گھوڑیونکی پرورش کرتے ہیں اور بطور تجارت اُن سے بہت کچھ منافع حاصل کرتے ہیں۔ اگر اسی طرح پر بیلوں اور گایوں کی پرورش کا انتظام کریں۔ تو اس سے اُنکو پہلا فائدہ تو یہ ہو۔ کہ ہر سال جو انکو سو دوسو روپے صرف بیلوں کی خرید پر خرچ کرنے پڑتے ہیں۔ آئیندہ خرچ نہ کرنے پڑیں۔ دوسری ضرورت سے زیادہ جسقدر بیل ہوں۔ اُن سے وہ بہت نفع حاصل کر سکتے ہیں۔ اور اُس کے واسطے

آسان تجویز یہ ہے۔ کہ زمینداروں کو اعلیٰ النسل کی گائیں منگانی چاہئیں۔ اگر وہ ہانسی حصار یا بلوچستان کے علاقہ بہاگ ناڑی کے بیل اور گائے نہیں منگا سکتے۔

تو اپنے علاقہ میں ایک اعلی درجہ کی طاقتور۔ دراز قد دودھیلی گائے خرید کریں۔ اور اُسکی خوب پرورش کریں۔ اور جب وہ گرم ہو۔ تو اُسے ایک عمدہ سے عمدہ سانڈ سے جفتی کرائیں جب بچھڑا پیدا ہو۔ تو تمام دودھ گائے کا بچھڑے کو پلادیں پھر دیکھیں کہ اُنکو کس قدر منافع حاصل ہوتا ہے۔ ایک واقف کار اور تجربہ کار آدمی کا اسی امر پر عمل رہا ہے۔

اُس کا بیان ہے۔ کہ زمیندار گھی کے لالچ پر گایوں کا دودھ دُہتے ہیں۔ اور بچھڑوں کے واسطے کچھ دودھ باقی نہیں رہنے دیتے۔ نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ بچھڑے بالکل کمزور ہوتے ہیں۔ اور وہ کسی مصرف کے نہیں ہوتے۔

زمینداروں کو چاہیئے۔ کہ وُہ گھی کا طمع نہ کریں کیونکہ بالفرض ایک گائے کا گھی سالبھر میں فروخت کریں۔ تو اُس کی قیمت تیس روپے سالانہ سے چالیس روپے تک وصول ہوگی۔ مگر بچھڑوں کو پلائیں۔ تو ایک سو روپیہ کا بیل تیار ہوگا۔ خوشحال زمیندار گھی بہت کم فروخت کرتے ہیں تمام دودھ معمولی طور پر صرف ہو جاتا ہے۔ اس تقریر سے یہ مقصد نہیں۔ کہ زمیندار گایوں کا دودھ استعمال

ہی نہ کریں۔ نہیں۔ بلکہ ہمارا منشا یہ ہے۔ کہ ہر ایک متوسط درجہ کے زمیندار کو ایک گائے ایسی رکھنی چاہیئے۔ جو نسل کشی کا کام دیوے۔ اُس کا دُودھ ہرگز نہ پیئے۔ بلکہ سارے کا سارا بچھڑے کو پلائے۔ پھر دیکھے۔ کہ اُس کے اپنے گھر ہی کس قدر عمدہ بیل طاقتور تیار ہوتے ہیں۔ ایسی گائیں اعلیٰ درجہ کی ہوں۔ جن زمینداروں نے اس اصول پر عمل کیا ہے۔ اور سیر دو سیر دُودھ پر طمع نہیں کیا۔ اُنہوں نے بچھڑوں کو فروخت کرنے سے بہت روپیہ کمایا ہے۔ ہر ایک متوسط درجہ کا زمیندار چار پانچ گائیں آسانی سے رکھ سکتا ہے۔ اور اُس کی پرورش میں چنداں تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔

ہندو بھائی جو گائے کو مذہبی نقطۂ خیال سے متبرک سمجھتے ہیں۔ وُہ ہماری سطور بالا کو پسند کرینگے۔ مگر ہم اِنہیں بھی ایک دوستانہ مشورہ دیتے ہیں۔ کہ وُہ جہاں گاؤشالہ کی بُنیاد ڈالیں۔ وہاں صرف اپاہج۔ بیمار۔ بوڑھی گایوں کی پرورش کا بیڑا نہ اُٹھائیں۔ بلکہ چند اعلیٰ قسم کی گائیں اور بیل بھی گاؤشالہ میں ہونے چاہئیں۔ جو بطور نمونہ اور مثال پیش کیے جاسکیں۔ تاکہ ہندو مسلمان سب کو گائے کی

نسل کی ترقی دینے کا خیال پیدا ہو۔ واقعی گاؤشالہ اُس صورت میں مفید کام کر سکتے ہیں۔

علاقہ ملتان ہی کیا بلکہ ہر ایک ضلع میں بیلوں کی ازحد قلّت ہے۔ اور قیمت بہت گراں ہے۔ اسواسطے ضروری ہے کہ کاشتکاری کے لحاظ سے اور خصوصًا اِس لحاظ سے کہ دودھیلی گائے زمیندار کو بہت کچھ قرض سے سبکدوش کر سکتی ہے۔ لازم ہے کہ زمیندار اِس مسئلہ کو اچھی طرح سمجھیں۔ کیونکہ اِس میں بہت فوایدہیں۔

(۱) کِسان جہان کی جان ہے۔ اور کِسان کی جان بیلوں میں ہے۔

(۲) دُودھ کی افراط سے زمیندار کو بُہت فوایدہیں۔ وُہ ہانڈی کے خرچ سے بچ جاتا ہے۔

(۳) لسّی۔ دُودھ۔ مکھن۔ دہی سے اِس کی طاقت جسمانی میں بہت ترقّی ہوتی ہے۔ یہ یاد رہے۔ کہ جن قوموں کا گذارہ۔ دودھ مکھن پر ہے۔ اور جن کی غذا میں یہ جزو شامل ہیں۔ وُہ بہ نسبت گوشت وغیرہ کھانے والوں کے زیادہ طاقتور ہوتے ہیں۔

(۴) دُودھ۔ لسّی کے بکثرت استعمال سے انسانی عمر بڑھتی ہے۔

(۵) انسان دُودھ۔ لسّی کے استعمال سے عمرِ طبعی پر پہنچکر بھی توانا رہتا ہے۔

(۶) دُودھ۔ لسّی کے استعمال سے انسان کا چہرہ چمکدار اور بدن سڈول نکل آتا ہے۔

(۷) دُودھ مکھن۔ گھی خدا کی اعلیٰ نعمت ہے۔

(۸) لسّی غربا مُفت لیکر زمیندار کو دُعائیں دیتے ہیں۔

(۹) چھاچھ (لسّی) اگر بکریوں کو پلائی جاوے۔ تو وُہ جلد تیار ہوتی ہیں۔ گوسالہ بھی اِس سے فربہ ہوتے ہیں۔

(۱۰) دُودھ کو کل اشربہ پر فوقیّت حاصل ہے۔ اللّبن سیّد الشراب۔

(۱۱) گھی سے تمام مٹھائیاں تیار ہوتی ہیں۔ جنکو سب لوگ مزے سے کھاتے ہیں۔

(۱۲) دُودھ اِنسان کی قدرتی غذا ہے۔

(۱۳) زمیندار کو بچھڑوں کی پرورش سے عمدہ بیل قیمت پر

خرید کرنے نہیں پڑتے۔ اور اس طرح وُہ قرض سے بچ جاتا ہے۔

(۱۴) وُہ ضرورت سے زیادہ بچھڑوں کی پرورش کر کے اُن کی فروخت سے بہت روپیہ کما سکتا ہے۔

گائے بیل سے دوسرے درجہ پر بھینس۔ گھوڑی۔ اُونٹ کی پرورش ہے۔ بکریوں اور بھیڑوں کا ریوڑ بھی زمیندار حسب ضرورت اور حسب حیثیت رکھ سکتے ہیں۔ اِس بارہ میں ہم کوئی خاص ضرورت نہیں سمجھتے۔ ہر ایک زمیندار اپنی حالت کو دیکھکر فیصلہ کر سکتا ہے۔ کہ گائے بیل کے علاوہ وہ کتنے اور جانور پرورش کر سکتا ہے۔ اور کہانتک اُن سے آرام اور فائدہ کی توقع ہے۔

فصل بارہویں۔ تجویز بارہویں
تخم کی ترقی

زمینداروں کو مناسب ہے۔ کہ وہ تخم کی ترقی کیطرف ہمیشہ متوجہ رہیں۔ اور جس جگہ سے اعلیٰ تخم دستیاب

ہووے۔ اُسکے منگانے میں تجُبل اور غفلت نہ کریں۔ لیکن یہ امر مدِّ نظر رہے۔ کہ بعض میوے اور ترکاریاں خاص مقام پر تیار ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ آب وہوا کا ہر ایک روئیدگی پر بڑا اثر ہے۔ مثلاً اگر ہم چاہیں۔ کہ ایک سخت زمین میں آم کا درخت لگا دیں۔ تو وہ بیفائدہ ہے آم کے پودے کے واسطے نرم ریتلی زمین اور نمی درکار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دوآبہ بست جالندھر میں آم خوب ہو سکتے ہیں۔ مگر صوبہ سرحدی۔ اور ڈیرہ غازیخاں کی سرحد پر نہیں ہونگے۔ اسی طرح سے خربوزہ سردہ وغیرہ کا تخم اُسی آب وہوا میں عمدہ ہو سکتا ہے۔ مگر پھر بھی ایک دو سال تو عمدہ تیار ہوتے ہیں۔

رُوئی کا بیج مصر سے منگا کر سندھ میں کاشت کیا گیا ہے۔ اور اُمید سے بڑھکر کامیابی ہوئی ہے۔ اسی طرح سے اور اجناس کی ترقی کا خیال رہے۔ تو ہندوستان کے زمیندار بہت خوشحال ہو جاویں۔

فصل تیرھویں۔ تجویز تیرھویں
فصلوں کا ادل بدل

انگریزی میں اسے روٹیشن آف کراپس کہتے ہیں۔ اِس سے مقصد یہ ہے۔ کہ اراضی میں اس طرح ادل بدل کر جنسیں بُوئی جائیں۔ کہ ایک کی جڑیں دوسرے کے واسطے کھاد کا کام دیں۔ ہندوستان میں عام زمیندار گیہوں کاٹ کر کماد بو دیتے ہیں۔ اگر نیل کے بعد کماد کی کاشت ہو۔ تو دُوگنا فائدہ ہو۔ بلکہ یہ عام خیال ہے۔ کہ جس زمین میں نیل بُویا جاوے۔ وُہ زمین طاقت ور ہو جاتی ہے در اصل نیل کی لکڑی کھاد کا کام دیتی ہے۔ اِس کے علاوہ یہ بھی فائدہ ہے۔ کہ زیادہ محنت کی ضرورت نہ پڑیگی۔

مسٹر سمتھ۔ ڈپٹی ڈائرکٹر محکمہ زراعت نے یہہ امر ثابت کیا ہے۔ کہ اگر دھان اور جوٹ یکے بعد دیگرے بُوئے جائیں۔ تو ایک سال میں دو فصلیں تیار ہو سکتی ہیں

اگر اِس کا تجربہ خاطرخواہ نکلا - تو صرف اسی امر سے کروڑوں روپے اہل مُلک کی جیب میں آسکتے ہیں - اور اِس سے دوسرا فائیدہ یہ ہوگا - کہ دیگر اجناس خوردنی کی قیمت پر بھی کچھ اثر ضرور پڑیگا - اور اِس طرح سے بہت سے غریبوں کے پیٹ بھرینگے -

فصل چودھویں تجویز چودھویں

نئے نئے بیجوں کی کاشت

دیگر ممالک میں جو خاص قسم کی جنسیں تیار ہوتی ہیں - اُن کی بابت تجربہ اور تحقیق سے کام لیا جاوے - تو بہت سی ہمارے ملک میں تیار ہو سکتی ہیں - مثلاً جوٹ اب سے ایک سو سال پہلے ہندوستان میں بالکل ایک غیر معلوم جنس تھی - اب اُس کی پیداوار تقریباً ۴۵ کروڑ روپیہ سالانہ کی ہے - اِسی سے اندازہ ہو سکتا ہے - کہ نئی نئی اجناس اگر ملک میں لائی جاویں - تو کس قدر فائدہ اہل ملک

کو ہوسکتا ہے۔ مگر ہمارے ملک کے زمیندار بالکل ایک لکیر پر ہیں۔ جو جنسیں وہ اپنے باپ دادا کو بوتے اور تیار کرتے دیکھتے آئے۔ ممکن نہیں۔ کہ اُسکے علاوہ کوئی اور جنس کاشت کریں۔ ہاں اگر ایک گاؤں میں ایک زمیندار کوئی جنس نئی بوئے۔ تو پھر سب زمیندار اُس کی تقلید کرنے کو تیار ہیں۔ پس ضرورت اس امر کی ہے۔ کہ کسی نئی جنس کا ابتدائی کام مشکل ہے۔ پھر خود بخود دیکھا دیکھی سے رواج ہوجاتا ہے تعلیم یافتہ کاشتکاروں کو اس طرف توجہ کرنیکی ضرورت ہے۔

بعض علاقوں میں فصل خریف صرف۔ جوار۔ باجرہ بو یا جاتا ہے۔ اگر اعلےٰ پیمانہ پر۔ چنا۔ ماش۔ مونگ۔ تل وغیرہ بوئے جاویں۔ تو ضرور اِس زمین میں پیدا ہو سکتے ہیں۔ بعضی دلدل زمینوں میں اگر کوئی چیز پیدا نہ ہوسکتی ہو۔ تو وہاں شیشم کیکر وغیرہ کے درخت لگانے چاہئیں۔ اِس سے بہت نفع ہوگا۔ کیونکہ سوختنی لکڑی کے ساتھ ساتھ عمارتی لکڑی بھی گراں ہوتی جاتی ہے۔ اور اگر گورنمنٹ کیطرف سے جنگلات کا خاص انتظام نہ ہوتا۔ تو اہل وطن ایک بڑی مصیبت میں مبتلا ہوتے۔

فصل پندرہویں تجویز پندرہویں

روغنی اجناس

اِس وقت ہندوستان سے ۱۵ کروڑ روپے کی روغنی اجناس یعنی ناریل۔ سرسوں۔ تِل وغیرہ وساورکو جاتی ہیں۔ مگر اس بارہ میں بہت کچھ اصلاح کی ضرورت ہے۔ کہ ہندوستان میں تیل اور روغن تیار کرنے کے کافی کارخانے ہوں تاکہ بجائے اسکے کہ سرسوں۔ تِل وغیرہ اصل جنسیں ممالک غیر کو بھیجی جاویں۔ بہتر ہوگا۔ کہ اُن کا تیل اور روغن نکال کر روانہ کیا جاوے۔ اِس سے تین فائدے حاصل ہونگے۔ جن میں سے ہر ایک اہمیت رکھتا ہے۔

(۱) ایک تو وزن کی کمی سے کرایہ جہاز وغیرہ پہلے سے تہوڑا دینا پڑیگا۔

(۲) اُن کارخانوں میں جو یہاں روغن اور تیل نکالنے کے واسطے تیار کئے جاویں گے۔ ایک معقول تعداد مزدوروں کی روٹی کما سکے گی۔ اور اس طرح بہت سے روزگار کے

متلاشی اپنے ملک میں ہی روزی کما سکینگے۔ اور غیر ممالک مثلاً کینیڈا۔ ٹرانسوال۔ آسٹریلیا۔ مشرقی افریقہ میں دھکے نہ کھاتے پھرینگے۔ حال میں ٹرانسوال اور اضلاع متحدہ امریکہ میں جو ہندوستانیوں کی درگت ہوئی ہے۔ وہ ابنائے ملک سے پوشیدہ نہیں۔

(۳) کھلی وغیرہ جو یہاں بچت میں رہے گی۔ اسکی فروخت سے بھی کچھ روپیہ حاصل ہوگا۔ اور اس طرح سے کھلی کا نرخ جو کچھ عرصہ سے غلہ کی طرح گراں ہے۔ ارزاں ہوجائیگا۔ اور مویشیوں کی پرورش میں جو یہ ایک سد عظیم ہے۔ اُٹھ جائیگی۔

(۴) اہل ملک اس امر کی قدر کرینگے۔ کہ ہمت کرنے سے وہ ہر ایک کام کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

یہی حال کھانڈ کا ہے۔ جسقدر شکر اس جگہ ہندوستان میں تیار ہوتی ہے۔ افسوس ہے۔ کہ دساور کی ارزاں کھانڈ نے اس کی تجارت کو مات کر دیا ہے۔ اگر ہم انہی اصولوں سے اپنے ملک میں صاف سفید عمدہ کھانڈ ارزاں تیار کرسکیں۔ تو کسقدر عمدہ بات ہے۔ صرف شور مچانے۔ اور سودیشی

سودیشی کی آواز لگانے سے کامیابی محال ہے۔ ہاں ہندوستانی کوشش کرکے اپنے ملک کی تجارتی اشیاء کو ترقی اور رونق دیویں۔ تو اس میں نہ تو گورنمنٹ ناراض ہے۔ اور نہ اور کوئی حرف گیری کرسکتا ہے۔

فصل سولھویں۔ تجویز سولھویں

محنت اور غفلت

دیگر ممالک کے کاشتکار جو دن دونی اور رات چوگنی ترقی کر رہے ہیں۔ اسکی بڑی وجہ فقط انکی محنت ہے۔ ہندوستانی کاشتکاروں اور زمینداروں کی غفلت کا یہ حال ہے۔ کہ وہ غلّہ میں سے مٹی اور ڈھیلے تک جُدا نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ولایت کی مارکیٹ میں ہندوستانی گندم کی باوجودیکہ وہ غذائیت اور قوت کے لحاظ سے دُنیا بھر کی گیہوں سے افضل ثابت ہوئی ہے۔ کچُھ زیادہ قیمت نہیں اُٹھتی۔ اگر ہندوستانی کاشتکار غفلت کو بالائے طاق رکھیں۔ یا گندم میں جو کی مقدار کو زیادہ نہ ہونے دیں

جو زیادہ ترنیج کی عمدگی پر موقوف ہے۔ تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہندوستان کی گیہوں کی سب سے زیادہ مانگ نہ ہو۔ اور قیمت بھی معقول وصول ہو۔

یُوں تو دنیا کے تمام کام محنت سے پورے ہوتے ہیں اور غفلت اور سُستی سے بہت سے کام ناقص اور ناتمام رہجاتے ہیں۔لیکن زراعت کاری ایک ایسا پیشہ اور ایک ایسا کام ہے۔ کہ اِس میں محنت ہی پر سب کچھ موقوف ہے۔ اگر کِسان مِحنتی ہے۔ تو اسکو اپنی محنت کا پھل ضرور ملے گا۔ اس بارہ میں ایک حکایت کا لکھنا بھی موزوں معلوم ہوتا ہے۔

حکایت

ایک گاؤں میں کروڑی مل نام ساہوکار مر گیا۔اور لاکھوں روپے کی جائداد اور زرنقد چھوڑ گیا۔جس سے اُس کے بیٹے خوب مالدار ہوگئے۔ اور بڑی کرّوفر سے چلا کرتے۔ ہر آدمی کی زبان پر ساہوکار کا چرچا تھا۔اُسی گاؤں میں ایک بڈھا جاٹ تھا۔ اور عرصۂ دراز سے بیماری کے بستر پہ پڑا تھا۔جب مرنے لگا۔ تو بیٹوں سے کہا۔ کہ تم دِل میں

کہتے ہوگے۔ کاش ہمارا باپ بھی اس ساہوکار کی طرح مالدار ہوتا۔ تو بہت سا روپیہ ورثہ میں ملتا۔ میرے پیارے بیٹو! میرا روپیہ بھی بہت ہے۔ مگر وہ گاؤں میں گڑا ہوا ہے۔ اور اس وقت میں اُٹھنے سے لاچار ہوں۔ ورنہ تم کو نشان بتاتا۔ یہ کہکر وہ بُڈھا بیچارا تو جاں بحق ہوگیا چند روز کے بعد اُسی کے بیٹے خزانہ کی تلاش میں کدال لے کر پہنچے۔ تمام زمین کو ۴-۵ فٹ گہرا کھودا۔ مگر خزانہ کا کہیں پتہ نشان نہ ملا۔ ہار تھک کر بیٹھ گئے۔ مگر اُسی سال فصل ایسی پھلی۔ کہ کبھی ایسی نہ ہوئی تھی۔ کیونکہ زمین کے ادل بدل کرنے سے اوپر کی ناقص مٹی نیچے۔ اور نیچے کی عمدہ مٹی اوپر آگئی۔ اور فصل نرم زمین میں خوب پھلی۔ اُسوقت کسان کے بیٹوں نے سمجھا۔ کہ اُنکے باپ کا فقط یہ منشا تھا۔ کہ زمین میں خزانہ بہت ہے۔ مگر گہرے ہل چلاؤ اور وُہ خزانہ **محنت** سے حاصل ہو سکتا ہے۔

اس مختصر حکایت سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ کاشتکار کو کسقدر محنت کی ضرورت ہے۔

اہلِ یورپ و امریکہ اس قدر اپنے کام میں ماہر ہیں۔

کہ ان کے حالات پڑھنے سے عقل حیران ہوتی ہے ابھی
حال میں ایک فرانسیسی کسان کا تذکرہ چھپا ہے
جس کا نام ایم بگنن ہے۔

اس شخص کو انگوروں کی کاشت میں بہت کامیابی
ہوئی ہے۔ اُس سائنس دان کاشتکار نے فرینچ نیشنل
سوسائٹی آف ایگریکلچر کے ممبروں کے سامنے ان طریقوں کو
بیان کیا ہے۔ جس سے وہ اپنی انگور کی فصل کو کہر کے
مہلک حملہ سے بچاتا ہے۔

ام بگنن بیان کرتا ہے۔ کہ مَیں نے کئی سالوں
سے کہر کے بچاؤ کے واسطے مصنوعی بادلوں کو استعمال
کیا ہے۔ اور اگر اسی طرح اور کاشتکار بھی توجہ
کریں۔ تو لاکھوں فرانک (فرانسیسی سکہ) فرانسیسی
کاشتکاروں کو صرف فروخت شراب میں فائدہ ہو

روشوں کے کنارہ کنارہ کوئی پچاس فٹ کے
فاصلہ پر میں نے قریب ایک فٹ کی گہرائی کے زمین
میں برتن گاڑ دیئے ہیں۔ ان برتنوں میں پندرہ سے
بیس پونڈ تک آتش فشاں مادہ اور چیڑا اور دیگر نباتات

کی لکڑی کے کچھ ٹکڑے ڈال دیتا ہوں۔ اور ان سے اس قدر دُھواں پیدا ہوتا ہے۔ جو میرے انگوروں کو معمولی کہر یا پالے کے حملہ سے بچا سکے۔

مذکورہ بالا اشیاء کی مقدار کا استعمال کہر کے حجم پر منحصر ہے۔ اصلی پالا تو صرف دو ایک بار پڑتا ہے۔ اور اگر ایک فصل میں ان کی تعداد تین یا چار ہو۔ تو ہم سمجھتے ہیں۔ کہ ہم پر مصیبت آئی۔

سنہ ۱۹۰۳ء میں ان کی شدت زیادہ تھی۔ اور مجھے چار مرتبہ اپنی مصنوعی آگ سے کام لینا پڑا۔

آتش فشاں مادہ سے جو دھوآں اُٹھتا ہے۔ وُہ انگوروں پر ایک گھرے بادل کی شکل میں پردہ کی طرح معلق رہتا ہے۔ جس میں اسقدر حرارت ہوتی ہے۔ کہ پالا میرے انگوروں پر جھلسا دینے والا اثر نہیں ڈال سکتا یہہ ضروری نہیں۔ کہ دُھوآں پیدا کرنے کے واسطے خاص اشیاء ڈالی جاویں۔ بلکہ تمام چیزیں استعمال کی جا سکتی ہیں۔" فقط

اُس کاشتکار کو اپنے فصل انگور میں اس قدر

کامیابی ہوئی ہے۔ کہ باوجودیکہ اس کی اراضی جس میں انگوروں کی کاشت ہوتی ہے۔ صرف دس بارہ ایکڑ ہے مگر پیداوار کا تخمینہ یہ ہے۔ کہ اُس سے دُگنی زمین والوں کو بھی اسقدر پیداوار حاصل نہیں ہوتی۔ اس تذکرہ سے یہ منشا نہیں ہے۔ کہ ہندوستانی زمیندار بھی اپنے کماد اور روئی کے کھیت پر بادل بنانے شروع کریں۔ بلکہ مقصد یہ ہے۔ کہ ہندوستانی کاشتکاروں کو دیکھنا چاہیے۔ کہ اُن کے ہم پیشہ بھائی دیگر ممالک میں کس قدر ترقی کر رہے ہیں۔ اور اپنی فصل کی بہتری اور ترقی کیواسطے کس قدر خرچ برداشت کرتے ہیں مگر ہمارے زمیندار ہیں۔ کہ صرف اس امر کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔ کہ وُہ اپنا خرمن گاہ اعلیٰ درجہ کا بنائیں۔

خرمن گاہ کے نقص سے گیہوں میں ریت شامل ہو جاتی ہے۔

اور چونکہ خرمن گاہ بالکل کھلی زمین میں بنائے جاتے ہیں۔ اس واسطے عموماً بارش سے تمام محنت

پر پانی پھر جاتا ہے۔ اور اناج کا ستیاناس
ہو کر کسان بیچارا روتا پیٹتا ہے۔ مگر اُس کے
رُونے سے کیا ہو سکتا ہے ÷

تمام شد

اطلاع

حق تالیف کتاب ہذا بحق مؤلف
بذریعۂ رجسٹری محفوظ ہے۔ کوئی صاحب
بلا اجازت نہ چھاپیں۔

کتاب نخلستان حصّہ اوّل مؤلفہ مؤلف

کتاب ہذا بقیمت ۸؍ و نخلستان حصہ دوم بقیمت ۴؍
اور یہ کتاب زراعت ہند بقیمت ۸؍ پتہ ذیل
سے ملسکتی ہیں۔ { مولوی محمد خیر الدین صاحب مالک کتبخانہ صابرہ ملتانی شہر ملتان بوہڑ دروازہ

Date	No.	Date	No.